

[1]-شکوہ:علامہ اقبال

کیوں زیاں کاربنوں سود فراموش رہوں
فکر فردا نہ کروں محو غم دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نو امیں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں
جرأت آموز مری تاب سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے خاکم بد ہن ہے مجھ کو
ہے بجا شیوہ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
ساز خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم
نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم
اے خدا شکوہ ارباب وفا بھی سن لے
خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے
تھی تو موجود اذل سے ہی تری ذات قدیم
پھول تھانیب چمن پرنہ پریشان تھی شیم
شرط انصاف ہے اے صاحب الاطاف عیم
بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نیم
ہم کو جمعیت خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی
ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منتظر
کہیں مسجد تھے پتھر کہیں معبود شجر
خوگر پیکر محسوس تھی انسان کی نظر
مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیوں نکر
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا

قوت بازوئے مسلم نے کیا کام ترا
بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی
اہل چین چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پرترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے
تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی اڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساوں میں
کبھی افریقہ کے پتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ بچت تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہمیں چھاؤں میں تلواروں کی
ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی نہ کچھ تغزی اپنی حکومت کے لیے
سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے
قوم اپنی جوز رو دمال جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی
ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سر کش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے اڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درخیبر کس نے
شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توڑے مخلوق خداوندوں کے پکیر کس نے
کاٹ کر رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے
کس نے ٹھنڈا کیا آتنگمدہ ایراں کو
کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو
کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی
اور تیرے لیے زحمت کش پیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہاں نگیر جہاں دار ہوئی
کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی
کس کی بیت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ہو اللہ احد کہتے تھے
آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صفت میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سر کار میں پہنچے تو سمجھی ایک ہوئے
محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے
کوہ میں دشت میں لے کر تراپیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بھر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے
صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے

نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسا یا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو دل دار نہیں
امتیں اور بھی ہیں ان میں گنہ گار بھی ہیں
عجزوں لے بھی ہیں مست مئے پندار بھی ہیں
ان میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بے زار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر
بت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزل دہر سے او نٹوں کے حدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں
یہ شکایت نہیں ہیں ان کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
قهر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بیچارے مسلمان کو فقط وعدہ حور
اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں
کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیانا یا ب
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب

تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرائے حباب
رہ رہ دشت ہو سیلی زدہ مونج سراب
طعن اغیار ہے رسوائی ہے ناداری ہے
کیا ترے نام پر مرنے کا عوض خواری ہے
بُنی اغیار کی اب چاہئے والی دنیا
رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
ہم تو رخصت ہوئے اور وہ نے سنبھالی دنیا
پھرنا کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا
ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تر انام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے
تیری محفل بھی گئی چاہئے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صحیح کے نالے بھی گئے
دل تختھے دے بھی گئے اپنا صلہ لے بھی گئے
آکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبائے کر
درد لیلی بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی
مسجد کے دشت و جبل میں رم آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی
امت احمد مرسل بھی وہی تو بھی وہی
پھر یہ آز ردگی غیر سبب کیا معنی
اپنے شید اوں پر یہ چشم غصب کیا معنی
تجھ کو چھوڑا کہ رسول عربی کو چھوڑا
بت گری پیشہ کیا بت شنمنی کو چھوڑا
عشق کو عشق کی آشمنہ سری کو چھوڑا

رسم سلمان واویس قرنی کو چھوڑا
آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثل بلال حبشی رکھتے ہیں
عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی
جادہ پیاری تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفت قلبہ نما بھی نہ سہی
اور پابندی آئین و فا بھی نہ سہی
کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی توہر جائی ہے
سرفاراں پہ کیا دین کو کامل تونے
اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تونے
آتش اندو ز کیا عشق کا حاصل تونے
پھونک دی گرمی رخسار سے محفل تونے
آج کیوں سینے ہمارے شر رآباد نہیں
ہم وہی سونختہ سامال ہیں تجھے یاد نہیں
وادیِ نجد میں وہ شور سلاسل نہ رہا
قیس دیوانہ نظارہ محمل نہ رہا
حوالے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا
گھر یہ اجڑا ہے کہ تورو نق محفل نہ رہا
اے خوش آں روز کہ آئی و بصدق ناز آئی
بے چابانہ سوئے محفل ماباز آئی
بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لب جو بیٹھے
ستے ہیں جام بکف نغمہ کو کو بیٹھے
دور ہنگامہ گلزار سے یکسو بیٹھے
تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر ہو بیٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے
قوم آوارہ عنان تاب ہے پھر سوئے جماز
لے اڑا بلبل بے پر کومڈا ق پرواز
مضطربِ باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیر تو دے تشنہِ مضراب ہے ساز
لغتے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے
طورِ مضطرب ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے
مشکلیں امتِ مرحوم کی آسمان کر دے
موربے ما یہ کو ہدوش سلیمان کر دے
جن س نایاب محبت کو پھر ارزائ کر دے
ہند کے دیر نشینوں کو مسلمان کر دے
جوئے خون می چکداز حسرتِ دیرینہ ما
می تپدنا لہ بہ نشر کدہ سینہ ما
بوئے گل لے گئی بیرون چمن راز چن
کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غماز چن
عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمه پرداز چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک
تمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں
پیتاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی رو شیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں
ڈالیاں پرہن بر گ سے عریاں بھی ہوئیں
قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی

کاش گشنا میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی
 لطف مر نے میں ہے باقی نہ مزہ جینے میں
 کچھ مزہ ہے تو یہی خون جگر پینے میں
 کتنے بیتاب ہیں جو ہر مرے آئئے میں
 کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں
 اس گلستان میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
 داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں
 چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دل ہوں
 جان گنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں
 یعنی پھر زندہ نئے عہد و فاسے دل ہوں
 پھر اسی بادہ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں
 عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
 نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

-[1]- شکوه: علامہ اقبال

کیوں زیاں کاربنوں سود فراموش رہوں
 فکر فردا نہ کروں محو غم دوش رہوں
 نا لے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
 ہم نوایں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں
 جرأت آموز مری تاب سخن ہے مجھ کو
 شکوہ اللہ سے خاکم بد ہن ہے مجھ کو
 ہے بجا شیوہ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
 قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
 ساز خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم

نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو مغذور ہیں ہم
اے خدا شکوہ ارباب وفا بھی سن لے
خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے
تھی تو موجود اذل سے ہی تری ذات قدیم
پھول تھا زیب چن پرنہ پریشاں تھی شیم
شرط انصاف ہے اے صاحب الاطاف عجمیم
بوئے گل پھیلت کس طرح جو ہوتی نہ نیم
ہم کو جمعیت خاطر یہ پریشاں تھی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی
ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجد تھے پتھر کہیں معبد شجر
خوگر پیکر محسوس تھی انسان کی نظر
ماننا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیوں نکر
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا
قوت بازوئے مسلم نے کیا کام ترا
بس رہے تھے یہیں سلووق بھی تواری بھی
اہل چین چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی
اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پرترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو گزری ہوئی تھی وہ بنائی کس نے
تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساوں میں
کبھی افریقہ کے پتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ بچتی تھی جہاں دروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہمیں چھاؤں میں تواروں کی
ہم جو جیتے تھے تو جگاؤں کی مصیبت کے لیے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے
قوم اپنی جوز رو و مال جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی
ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سر کش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ لیا چیز ہے ہم تو پ سے لڑ جاتے تھے
 نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خبر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے
تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑ اور خبیر کس نے
شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توڑے مغلوق خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے
کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدہ ایراں کو
کس نے پھر زندہ کیا مذکرہ یزداں کو
کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی
اور تیرے لیے زحمت کش پیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہاں غیر جہاں دار ہوئی
کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی
کس کی ہیبت سے صنم سہے ہوئے رہتے تھے

منہ کے بل گر کے ہو اللہ احمد کہتے تھے
آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صفت میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے
محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے
کوہ میں دشت میں لے کر تراپیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بھر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے
صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کجھے کو جیسوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تودل دار نہیں
امتیں اور بھی ہیں ان میں گنہ گار بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مست مئے پندر بھی ہیں
ان میں کامل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بے زار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بہت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزل دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں
یہ شکایت نہیں ہیں ان کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بیچارے مسلمان کو فقط وعدہ حور
اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں
کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نیا ب
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحر اسے حباب
رہ رو دشت ہو سلی زدہ موچ سراب
طعن اغیار ہے رسوائی ہے ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے
بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا
رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا
پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا
ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تر انام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساتی نہ رہے جام رہے
تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے

شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلہ لے بھی گئے
آکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چڑا غر خ زیبائے کر
درد لیلی بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت و جبل میں رم آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی
امت احمد مر سل بھی وہی تو بھی وہی
پھر یہ آزر دگی غیر سب کیا معنی
اپنے شیدا اول پہ یہ چشم غضب کیا معنی
تجھ کو چھوڑا کہ رسول عربی کو چھوڑا
بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا
عشق کو عشق کی آشنازتہ سری کو چھوڑا
رسم سلمان واویں قرنی کو چھوڑا
آگ تکبیر کی سینوں میں دلب رکھتے ہیں
زندگی مثل بلال جبشی رکھتے ہیں
عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی
جادہ پیاری تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفت قبلہ نما بھی نہ سہی
اور پابندی آئین وفا بھی نہ سہی
کبھی ہم سے کبھی غیر وہ سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی توہر جائی ہے
سرفاراں پہ کیا دین کو کامل تونے
اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تونے

آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے
پھونک دی گرمی رخسار سے محفل تو نے
آج کیوں سینے ہمارے شر آباد نہیں
ہم وہی سوختہ سماں ہیں تجھے یاد نہیں
وادیِ نجد میں وہ شور سلاسل نہ رہا
قیس دیوانہ نظارہ محفل نہ رہا
حوالے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا
گھر یہ اجڑا ہے کہ تورو نق محفل نہ رہا
اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے چابانہ سوئے محفل ما باز آئی
بادہ کش غیر ہیں گشن میں لب جو بیٹھے
ستے ہیں جام بکف نغمہ کو کو بیٹھے
دور ہنگامہ گزار سے یکسو بیٹھے
تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر ہو بیٹھے
اپنے پروانوں کو پھر ذوق خود افروزی دے
برق دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے
قوم آوارہ عنان تاب ہے پھر سوئے ججاز
لے اڑا بلبل بے پر کومداق پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو زرا چھیر تو دے تشنہ مضراب ہے ساز
لغتے پیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے
طور مضطرب ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے
مشکلیں امت مر حوم کی آسان کر دے
مور بے ما یہ کو ہدوش سلیمان کر دے
جنس نایاب محبت کو پھر ارزآل کر دے

ہند کے دیر نشیوں کو مسلمان کر دے
جوئے خوں می چکداز حسرت دیرینہ ما
می پیدنا لہ بہ نشر کدہ سینہ ما
بوئے گل لے گئی بیرون چمن راز چن
کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غماز چن
عہد گل ختم ہواٹ گیا ساز چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمه پرداز چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محترم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک
قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں
پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی رو شیں باغ کی دیراں بھی ہوئیں
ڈالیاں پیر ہن بر گ سے عریاں بھی ہوئیں
قید موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی
لطف مر نے میں ہے باقی نہ مزہ جینے میں
کچھ مزہ ہے تو یہی خون جگر پینے میں
کتنے بیتاب ہیں جو ہر مرے آئینے میں
کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں
اس گلستان میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں
چاک اس بلبل تہاکی نوا سے دل ہوں
جائے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں
لیجنی پھر زندہ نئے عہد و فاسے دل ہوں
پھر اسی بادہ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمی خم ہے تو کیا مے توجہ زی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے توجہ زی ہے مری

- جواب شکوہ: علامہ اقبال [2]

دل سے جوبات نکلتی ہے اثر کھتی ہے
پر نہیں طاقت پر واڑ مگر کھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفتہ پر نظر کھتی ہے
خاک سے اٹھتی ہے گردوں پر گزر کھتی ہے
عشق تھافتہ گرو سرکش و چالاک مرا
آسمان چیر گلیتا اللہ بیباک مرا
پیر گردوں نے کہاں کے کہیں ہے کوئی
بولے سیارے سر عرش بریں ہے کوئی
چاند کھتا تھا نہیں اہل زمین ہے کوئی
کہکشاں کہتی تھی پوشیدہ یہیں ہے کوئی
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تور خداون سمجھا
مجھ کو جنت سے نکلا ہوا انسان سمجھا
تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا
عرش والوں پر بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا
تاسر عرش بھی انسان کی تگ و تاز ہے کیا
آگئی خاک کی چکنی کو بھی پر واڑ ہے کیا
غافل آداب سے سکان زمیں کیسے ہیں
شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں
اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے
تھاجو مسجد ملائک یہ وہی آدم ہے

عالم کیف ہے دنائے رموز کم ہے
ہاں مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے
ناز ہے طاقت گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو
آئی آواز غم انگیز ہے افسانہ ترا
اشک پیتاب سے لبریز ہے پیانہ ترا
آسمان گیر ہو انحرہ مستانہ ترا
کس قدر شوخ زبان ہے دل دیوانہ ترا
شکر شکوئے کو کیا حسن ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے
ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کے رہرو منزل ہی نہیں
ترپیت عام تو ہے جو ہر قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں
ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعث رسولی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں
بادہ آشام نئے بادہ نیا خم بھی نئے
حرم کعبہ نیابت بھی نئے تم بھی نئے
وہ بھی دن تھے کہ یہی مایہ رعنائی تھا
نازش موسم گل لالہ صحرائی تھا
جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا

کبھی محبوب تمہارا یہی ہر جائی تھا
کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کرلو
ملت احمد مرسل کو مقامی کرلو
کس قدر تم پر گراں صحیح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبع آزاد پر قیدِ رمضان بھاری ہے
تمہیں کہہ دو یہی آئین و فاداری ہے
قومِ مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفلِ انجمن بھی نہیں
جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں جس قوم کو پرواۓ نشیمن تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خر من تم ہو
پیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو
ہونکونام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیانہ بچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے
صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے
میرے کعبے کو جینوں سے بسایا کس نے
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے
تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فرد ہا ہو
کیا کہا ہبھر مسلمان ہے فقط وعدہ حور
شکوہ بے جا بھی کرے کوئی توازن ہے شعور
عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئیں ہو اکافر تو ملے حور و قصور

تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوہ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں
منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پشپتی کی یہی باتیں ہیں
کون ہے تارک آئین رسول مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سما یا ہے شعار اغیار
ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بے زار
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں
جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صفاتِ غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پر دہر کھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
امر انشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے
واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقابی نہ رہی
رہ گئی رسم اذال روح بلا می نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غریبی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے
شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہونصاری تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرماں میں یہود
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عدل اس کا تھا قوی لوث مراعات سے پاک
شجر فطرت مسلم تھا حیا سے نمناک
تحا شجاعت میں وہ اک ہستی نوق الادرار ک
خود گدازی نم کیفیت صہبائیش بود
خلی از خویش شدن صورت مینایش بود
ہر مسلمان رگ باطل کے لیے نشر تھا
اس کے آئینہ ہستی میں عمل جو ہر تھا
جو بھروساتھا سے قوت بازو پر تھا
ہے تمہیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا
باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو
پھر پسر قبل میراث پدر کیوں نکر ہو
ہر کوئی مست میں ذوق تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو یہ انداز مسلمانی ہے
حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے
تم کو اسلام سے کیا نسبت روحانی ہے
وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

تم ہو آپس میں غصب ناک وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطایں وہ خطاب پوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اونج تریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم
تحنث فغور بھی ان کا تھا سریر کے بھی
یوں ہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ محیت ہے بھی
خود کشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خوددار
تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سر اپا وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو وہ گلتاں بلکار
اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی
مثلاً جنم افغان قوم پہ روشن بھی ہوئے
بت ہندی کی محبت میں بر ہمن بھی ہوئے
شوک پرواز میں مجبور نشیمن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جوال دین سے بد ظن بھی ہوئے
ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا
لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا
قیس زحمت کش تہائی صحرانہ رہے
شہر کی کھائے ہوا بادیہ پیانہ رہے
وہ تو دیوانہ ہے بستی میں رہے یا نہ رہے
یہ ضروری ہے حجاب رخ لیلانہ رہے
گلمہ جور نہ ہو شکوہ بیداد نہ ہو
عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو
عہد نوبرق ہے آتش زن ہر خرمن ہے

ایمن اس سے کوئی صحرانہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوم کہن ایندھن ہے
ملت ختم رسال شعلہ بہ پیرا ہن ہے
آج بھی ہو جو برائیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا
دیکھ کر رنگ چمن ہونہ پر یشاں مالی
کو کب غنچہ سے شاخیں ہیں چکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستان غالی
گل بر انداز ہے خون شہدا کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکتے ہوئے سورج کی افتتابی ہے
امتیں گلشن ہستی میں شر چیدہ بھی ہیں
اور محروم شر بھی ہیں خزان دیدہ بھی ہیں
سیکڑوں نخل ہیں کاہیدہ بھی بالہیدہ بھی ہیں
سیکڑوں بطن چن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں
نخل اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چن بندی کا
پاک ہے گرد وطن سے سر داماں تیرا
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا
قالہ ہونہ سکے گا کبھی ویراں تیرا
غیر یک بانگ درا کچھ نہیں ساماں تیرا
نخل شمع استی و در شعلہ دور یشہر تو
عاقبت سوز بود سایہ اندر یشہر تو
تونہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشہرے کو تعلق نہیں پیانے سے

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتی حن کازمانے میں سہارا تو ہے
عصر نورات ہے دھندلا ساستارا تو ہے
ہے جو ہنگامہ پایا یورش بلغاری کا
غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ سماں ہے دل آزاری کا
امتحان ہے ترے ایثار کا خودداری کا
کیوں ہر اسال ہے صہیل فرس اعداء سے
نور حق بجھنہ سکے گا نفس اعداء سے
چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کو کب قسم امکاں ہے خلافت تیری
وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا انتمام ابھی باقی ہے
مثل بوقید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا
رخت بردوش ہوا یے چمنستاں ہو جا
ہے تنک ما یہ تو ذرے سے بیباں ہو جا
نغمہ مونج ہے ہنگامہ طوفاں ہو جا
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے
ہونہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساتی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو

بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
 خیمه افلک کا استادہ اسی نام سے ہے
 نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
 دشت میں دامن کھسار میں میدان میں ہے
 بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
 چین کے شہر مراث کے بیابان میں ہے
 اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
 چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
 رفتہ شان رفعناک ذکر ک دیکھے
 مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا
 وہ تمہارے شہد اپالنے والی دنیا
 گرمی مہر کی پروردہ ہلائی دنیا
 عشق والے جسے کہتے ہیں بلا لی دنیا
 تپش اندوڑ ہے اس نام سے پارے کی طرح
 غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح
 عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری
 مرے درویش خلافت ہے جہا ٹگیر تری
 ماسوال اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
 تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
 کی محمد سے وفات نے تو ہم تیرے ہیں
 یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

-[3]- ایک آرزو: علامہ اقبال

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب

کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو
مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
آزاد فکر سے ہوں عزلت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا کل گیا ہو
لذت سرو دکی ہو چڑیوں کے چپھوں میں
چشمے کی شورشوں میں با جسانج رہا ہو
گل کی کلی چک کر پیغام دے کسی کا
سامغڑا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو
ہوا تھا کاسر ہانا سبزے کا ہو بچپونا
شرماۓ جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو
مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
نہے سے دل میں اس کے کھکانہ کچھ مر ا ہو
صف باندھے دونوں جانب بولے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کوہ سار کا نظارہ
پانی بھی مونج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
آن گوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چک رہا ہو
پانی کو چھوڑ ہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
 امید ان کی میراٹھا ہوا دیا ہو
 بجلی چک کے ان کو کثیا مری دکھادے
 جب آسمان پر ہر سو بادل گھرا ہوا ہو
 پچھلے پھر کی کوئی وہ صح کی موزن
 میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا ہو
 کانوں پر ہونہ میرے دیر و حرم کا احساس
 روزنہ ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو
 پھولوں کو آئے جس دم شب نم وضو کرانے
 رونا مر او ضو ہونالہ مری دعا ہو
 اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
 تاروں کے قلے کو میری صدارا ہو
 ہر درد مند دل کو رونا مر ار لادے
 بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

-ترانہ ہندی: علامہ اقبال [4]-

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
 ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستان ہمارا
 غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
 سمجھو ہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
 پربت وہ سب سے او نچا ہم سایہ آسمان کا
 وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
 گودی میں کھیاتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
 گلشن ہے جن کے دم سے رشک جناں ہمارا

اے آب رو دگنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو
 اتر اترے کنارے جب کارواں ہمارا
 مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر کھنا
 ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
 یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
 اب تک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا
 کچھ بات ہے کہ ہستی مٹی نہیں ہماری
 صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا
 اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
 معلوم کیا کسی کو درد نہیں ہمارا

-[5]- بچے کی دعا: علامہ اقبال

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تم نا میری
 زندگی شمع کی صورت ہو خدا یا میری!
 دور دنیا کا مرے دم سے اندر ہیرا ہو جائے!
 ہر جگہ میرے چکنے سے اجالا ہو جائے!
 ہو مرے دم سے یو نبی میرے وطن کی زینت
 جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پر دانے کی صورت یارب
 علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب
 ہو مر اکام غریبوں کی حمایت کرنا
 درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
 مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو

نیک جوراہ ہو اس رہ پہ چلانا مجھ کو

-جاوید کے نام: علامہ اقبال [6]-

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیازِ ما نہ نئے صح و شام پیدا کر
خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لاہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھانہ شیشہ گران فرنگ کے احسان
سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر
میں شاخ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے مے لاہ فام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں نقیری ہے
خودی نہ پیچ غربتی میں نام پیدا کر

-طلوعِ اسلام: علامہ اقبال [7]-

دلیلِ صحیح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھر اگیا در گراں خوابی
عروق مردہ مشرق میں خون زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی
مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاء ططم ہائے دریا یہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطامو من کو پھر در گاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ تر کمانی ذہن ہندی نطق اعرابی

اٹر کچھ خواب کا غپتوں میں باقی ہے تو اے بلبل
نوار اتیخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی
ترٹپ صحن چمن میں آشیاں میں شاخساروں میں
جد اپارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیما بی
وہ چشم پاک ہیں کیوں زینت بر گستواں دیکھے
نظر آتی ہے جس کو مرد گازی کی جگہ تابی
ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے
سر شک چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر آگہر پیدا
کتاب ملت بیضا کی پھر شیر ازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
ربود آں ترک شیر ازی دل تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خون ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
ہزاروں سال زگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
نوایہر اہواے بلبل کہ ہو تیرے تنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا
ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے
مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے
خدائے لمیز ل کا دست قدرت تو زبان تو ہے

یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلمان کی
ستارے جس کی گرد را ہوں وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی مکیں فانی ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے
حنا بند عروسِ لالہ ہے خون جگر تیرا
تری نسبت برائی ہی ہے معمار جہاں تو ہے
تری فطرت ایں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جو ہر مضر کا گویا امتحاں تو ہے
جہاں آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغان تو ہے
یہ نکتہ سرگزشت ملت بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا عدلالت کاشجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
یہی مقصود فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی
بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
میان شا خساراں صحبت مرغ چین کب تک
ترے بازو میں ہے پرواز شاہین قہستانی
گماں آباد ہستی میں یقین مرد مسلمان کا
بیاباں کی شب تاریک میں قدیل رہبانی
مٹایا قیصر و کسری کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زور حیدر فقر بوزر صدقِ سلمانی

ہوئے احرار ملت جادہ پیاس کس تحلیل سے
تماشائی شگاف درسے ہیں صدیوں کے زندانی
ثبت زندگی ایمان مکرم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پاییندہ تر نکلا ہے قورآنی
جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کریتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا
غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مردموں سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت پادشاہی علم اشیا کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں
براہمی نظر پیدا اگر مشکل سے ہوتی ہے
ہو سچھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیز بندہ و آقادساد آدمیت ہے
حد رائے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تحریریں
حقیقت ایک ہے ہرشے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
اہو خورشید کا پیکے اگر ذرے کا دل چیریں
یقین مکرم عمل پیغم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
چہ باید مرد راطبع بلندے مشرب نابے
دل گرے نگاہ پاک بینے جان بیتا بے
عقابی شان سے جھٹے تھے جوبے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خون شفق میں ڈوب کر نکلے
ہوئے مدفون دریا زیر دریا تیرنے والے

ٹمپنے موج کے کھاتے تھے جو بن کر گہر نکلے
غبارہ گزر ہیں کیمیا پر ناز تھا جن کو
جینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے
ہمارا نرم رو قاصدیا مام زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بھلیاں وہ بے خبر نکلے
حرم رسول اپنے حرم کی کم نگاہی سے
جو انان تاری کس قدر صاحب نظر نکلے
زمیں سے نوریاں آسمان پر واڑ کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر پائیدہ تر تابدہ تر نکلے
جہاں میں اہل ایماں صورت خور شید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے
یقین افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے
تورا زکن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا خدا کا ترجمان ہو جا
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انسان کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زبان ہو جا
یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اچھل کربے کراں ہو جا
غبار آلو دہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا
خودی میں ڈوب جاغافل یہ سر زندگانی ہے
نکل کر حلقة شام و سحر سے جاؤ داں ہو جا
مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پر نیاں ہو جا

گزر جاں کے سیل تند روکوہ و بیباں سے
گستاخاں میں آئے توجوئے نغمہ خواں ہو جا
ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی
ابھی تک آدمی صید زبون شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انسان کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صنای مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندان مغرب کو
ہوس کے پنجھے خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تمبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بناس رمایہ داری ہے
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
خروش آموز بلبل ہو گرہ غنچے کی واکر دے
کہ تو اس گستاخ کے واسطے باد بھاری ہے
پھر اٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی
زمیں جوالاں گہہ اطلس قیابیان تباری ہے
بیا پیدا خرید اراست جان ناتوانے را
پک از مدت گزار افتاد بر ما کار و اనے را
بیا ساقی نوائے مرغ زار از شا خسار آمد
بہار آمد نگار آمد نگار آمد قرار آمد
کشید ابر بہاری خیمه اندر وادی و صحراء
صدائے آبشاراں از فراز کوه سار آمد
سرت گردم تو هم قانون پیشیں سازدہ ساقی

کے خیل نغمہ پر دازان قطار اندر قطار آمد
 کنار از زاہد اس بر گیر و بیباکانہ ساغر کش
 پس از مدت ازیں شاخ کہن بانگ ہزار آمد
 ہے مشتاقاں حدیث خواجہ بدو حسین آور
 تصرف ہائے پہنانش بچشم آشکار آمد
 دگر شاخ خلیل از خون مانناک می گردد
 بازار محبت نقد ما کامل عیار آمد
 سرخاک شمیرے بر گہائے لالہ می پاشم
 کہ خونش بانہاں ملت ماساز گار آمد
 بیاتا گل بفیشا نیم و مے در ساغر اندازیم
 فلک راسقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم

-[8]- فرمان خدا: علامہ اقبال

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگادو
 کا خ امر اکے درود یوار ہلا دو
 گرماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
 کنجشک فرمایہ کوشائیں سے لڑادو
 سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ
 جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹادو
 جس کھیت سے دھقاں کو میسر نہیں روزی
 اس کھیت کے ہر خوشی گندم کو جلا دو
 کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پر دے
 پیر ان کلیسا کو کلیسا سے اٹھادو
 حق را بجودے صنماء رابطوا ف

بہتر ہے چراغ حرم و دیر بھادو
 میں ناخوش و بے زار ہوں مرمر کی سلوں سے
 میرے لیے مٹی کا حرم اور بنادو
 تہذیب نوی کارگہ شیشہ گراں ہے
 آداب جنوں شاعر مشرق کو سکھادو

-[9]- ہندوستانی بچوں کا قومی گیت: علامہ اقبال

چشتی نے جس زمین میں پیغام حق سنایا
 نانک نے جس چن میں وحدت کا گیت گایا
 تاتاریوں نے جس کو اپناوطن بنایا
 جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا
 میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے
 یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا
 سارے جہاں کو جس نے علم وہر دیا تھا
 مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
 ترکوں کا جس نے دامن ہیرول سے بھر دیا تھا
 میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے
 ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسمان سے
 پھرتا بدے کے جس نے چکائے کہشاں سے
 وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکان سے
 میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
 میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے
 بندے کلیم جس کے پرہت جہاں کے سینا
 نوح نبی کا آکر ٹھہر اجہاں سفینا

رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا
 جنت کی زندگی ہے جس کی فضائیں جینا
 میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

-لا الہ الا اللہ: علامہ اقبال [10]-

خودی کا سر نہیں لا الہ الا اللہ
 خودی ہے تنغ فسال لا الہ الا اللہ
 یہ دور اپنے برائیم کی تلاش میں ہے
 صنم کدھ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
 کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا
 فریب سودو زیاد لا الہ الا اللہ
 یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
 بتان و حُم و مکاں لا الہ الا اللہ
 خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زنا ری
 نہ ہے زمان نہ مکاں لا الہ الا اللہ
 یہ نغمہ فصل گل ولا اللہ کا نہیں پابند
 بہار ہو کہ خزان لا الہ الا اللہ
 اگر چہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
 مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ

-پرندے کی فریاد: علامہ اقبال [11]-

آتا ہے یاد مجھ کو گزر اہوازمانہ
 وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چھپھانا

آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
 اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا
 لگتی ہے چوتھ دل پر آتا ہے یاد جس دم
 شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرنا
 وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت
 آباد جس کے دم سے تھامیر آشیانا
 آتی نہیں صدائیں اس کی مرے قفس میں
 ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

کیا بد نصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں
 ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں پڑا ہوں
 آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں
 میں اس اندر گھر میں قسمت کو رورا ہوں
 اس قید کا الہی دکھڑا کسے سناؤں
 ڈر ہے بیہیں قفس میں میں غم سے مرنا جاؤں

جب سے چجن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے
 دل غم کو کھارا ہے غم دل کو کھارا ہے
 گانا سے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے
 دکھتے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدائے
 آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
 میں بے زبان ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے!

(اندھس کے میدان جنگ میں)

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشنا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحر اور برا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہبیت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نمہال غنیمت نہ کشور کشاںی
خیاباں میں ہے منتظر الہ کب سے
قباچا بیئے اس کو خون عرب سے
کیا تو نے صحر انشیوں کو کیتا
خبر میں نظر میں اذان سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگہ میں
کشاد در دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
دل مرد مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بھالی کہ تھی نعرہ لا تذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہ مسلمان کو تلوار کر دے

-[13]- ایک نوجوان کے نام: علامہ اقبال

ترے صوفے ہیں افرگی ترے قالیں ہیں ایرانی

لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
 امارت کیا شکوہ خسر وی بھی ہو تو کیا حاصل
 نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغناۓ سلمانی
 نہ ڈھونڈا اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
 کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی
 عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
 نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسانوں میں
 نہ ہو نومید نومیدی زوال علم و عرفان ہے
 امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں
 نہیں تیر انشیں قصر سلطانی کے گنبد پر
 تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

-ساقی نامہ: علامہ اقبال [14]-

ہوانیحہ زن کاروان بہار
 ارم بن گیادا من کوہ سار
 گل و نرگس و سوسن و نسترن
 شہید ازل لالہ خونیں کفن
 جہاں چھپ گیا پردہ رنگ میں
 لہو کی ہے گردش رگ سنگ میں
 فضائیلی نیلی ہوا میں سرور
 ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور
 وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
 اکنٹی لچکتی سر کتی ہوئی
 اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی

بڑے پیچ کھا کر نکتی ہوئی
رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام
سنا تی ہے یہ زندگی کا پیام
پلا دے مجھے وہ منے پر دہ سوز
کہ آتی نہیں فصل گل رو روز
وہ مے جس سے روشن ضمیر حیات
وہ مے جس سے ہے مستی کائنات
وہ مے جس میں ہے سوز و ساز ازل
وہ مے جس سے کھلتا ہے راز ازل
اٹھا ساقیا پر دہ اس راز سے
لڑا دے مولے کو شہباز سے
زمانے کے انداز بد لے گئے
نیاراگ ہے ساز بد لے گئے
ہوا اس طرح فاش راز فرنگ
کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ
پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں میر و سلطان سے بے زار ہے
گیادور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا
گراں خواب چینی سن بھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے ایلنے لگے
دل طور سینا و فاران دو نیم
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

مسلمان ہے تو حید میں گرم جوش
مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
تمدن تصوف شریعت کلام
بتان عجم کے پچاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو کلام خطیب
مگر لذت شوق سے بے نصیب
بیاں اس کامنطق سے سلجنچا ہوا
لغت کے بکھیروں میں الجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد
محبت میں کیتا حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندر ہیر ہے
مسلمان نہیں را کھکاڑا ہیر ہے
شراب کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردوش میں لاساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کراڑا
مری خاک جگنو بنا کراڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر
جو انوں کو پیروں کا استاد کر
ہری شاخ ملت ترے نم سے ہے
نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
ترتیپنے پھر کنے کی توفیق دے

دل مر تھی سوز صدیق دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر
ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
جو انوں کو سوز جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے
مری ناؤ گرداب سے پار کر
یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر
بتاب مجھ کو اسرار مرگ و حیات
کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات
مرے دیدہ ترکی بے خوابیاں
مرے دل کی پوشیدہ بیتا بیاں
مرے نالہ نیم شب کا نیاز
مری خلوت و انجمن کا گداز
امگلیں مری آرزویں مری
امیدیں مری جتجویں مری
مری فطرت آئینہ روز گار
غزالاں انکار کا مر غزار
مرا دل مری رزم گاہ حیات
گمانوں کے لشکر یقین کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی متعاف فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹادے اسے
لٹادے ٹھکانے لگادے اسے

دام روں ہے یہ زندگی
ہر اک شے سے پیدا رم زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود
کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج دود
گراں گرچہ ہے صحبت آب و گل
خوش آئی اسے محنت آب و گل
یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی
عناصر کے پھنڈوں سے بے زار بھی
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
مگر ہر کہیں بے چکوں بے نظیر
یہ عالم یہ بت خانہ شش جہات
اسی نے تراشا ہے یہ سو منات
پسند اس کو تکرار کی خونیں
کہ تو میں نہیں اور میں تو نہیں
من و تو سے ہے انجمن آفریں
مگر عین محفل میں خلوت نشیں
چمک اس کی بجلی میں تارے میں ہے
یہ چاندی میں سونے میں پارے میں ہے
اسی کے بیباں اسی کے ببول
اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھول
کہیں اس کی طاقت سے کہسار چور
کہیں اس کے پھندے میں جبریل و حور
کہیں جزہ ہے شاہین سیماں برنگ
لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ
کبوتر کہیں آشیانے سے دور

پھر کتا ہوا جاں میں ناصور
فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات
ٹھہر تا نہیں کاروان وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوق پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
سفر زندگی کے لیے برگ و ساز
سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز
الجھ کر سلیمانیہ میں لذت اسے
تڑپنے پھر کنے میں راحت اسے
ہوا جب اسے سامنا موت کا
کٹھن تھا بڑا تھا موت کا
اتر کر جہاں مکافات میں
رہی زندگی موت کی گھات میں
مذاق دوئی سے بنی زوج زوج
اٹھی دشت و کوہ سار سے فوج فوج
گل اس شاخ سے ٹوٹنے بھی رہے
اسی شاخ سے پھوٹنے بھی رہے
سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات
ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات
بڑی تیز جولاں بڑی زود رس
ازل سے ابد تک رم یک نفس

زمانہ کہ زنجیر ایام ہے
دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے
یہ مون نفس کیا ہے تلوار ہے
خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے
خودی کیا ہے راز درون حیات
خودی کیا ہے بیداری کائنات
خودی جلوہ بد مست و خلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند
اندھیرے اجائے میں ہے تابناک
من و تو میں پیدا من و تو سے پاک
ازل اس کے پچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پچھے نہ حد سامنے
زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی
ستم اس کی موجودوں کے سہتی ہوئی
تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی
داماد نگاہیں بدلتی ہوئی
سبک اس کے ہاتھوں میں سنگ گراں
پہلاڑ اس کی ضربوں سے ریگ روائ
سفر اس کا انعام و آغاز ہے
یہی اس کی تقویم کا راز ہے
کرن چاند میں ہے شر رنگ میں
یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
نشیب و فرازو پس و پیش سے
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر

ہوئی خاک آدم میں صورت پذیر
خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے
خودی کے نگہداں کو ہے زہرنا ب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب
وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند
خودی فال محمود سے در گزر
خودی پر نگہ رکھ ایازی نہ کر
وہی سجدہ ہے لاکن اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
یہ عالم یہ ہنگامہ رنگ و صوت
یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت
یہ عالم یہ بتخانہ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خور دنو ش
خودی کی یہ ہے منزل او لین
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاک داں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جایہ کوہ گراں توڑ کر
طلسم زمان و مکاں توڑ کر
خودی شیر مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسمان اس کا صید
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود

ہر اک منتظر تیری یلغار کا
 تری شو خی فکر و کردار کا
 یہ ہے مقصد گردش روز گار
 کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
 تو ہے فاتح عالم خوب و زشت
 تجھے کیا بتاؤں تری سر نوشت
 حقیقت پہ ہے جامہ حرف تنگ
 حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ
 فروزال ہے سینے میں شمع نفس
 مگر تاب گفتار رکھتی ہے بس
 اگر یک سرموئے برتر پرم
 فروغ بخی بسو زد پرم

-ترانہ سلی: علامہ اقبال [15]-

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
 مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
 توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
 آسان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا
 دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
 ہم اس کے پاس باں ہیں وہ پاس باں ہمارا
 تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جو اس ہوئے ہیں
 خنجر ہلال کا ہے قومی نشان ہمارا
 مغرب کی وادیوں میں گونجی اذال ہماری
 تھمتانہ تھا کسی سے سیل روائ ہمارا

باطل سے دبئے والے اے آسمان نہیں ہم
 سوبار کرچکا ہے تو امتحان ہمارا
 اے گلستان انڈ لس وہ دن ہیں یاد تجھ کو
 تھاتیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا
 اے موچ دجلہ تو بھی پچانتی ہے ہم کو
 اب تک ہے تیر اور یا افسانہ خواں ہمارا
 اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم
 ہے خون تری رگوں میں اب تک روائی ہمارا
 سالار کارروائی ہے میر حجاز اپنا
 اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا
 اقبال کا ترانہ بائگ درا ہے گویا
 ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارروائی ہمارا

-جریل والیس: علامہ اقبال [16]-

جریل

ہدم دیرینہ کیسا ہے جہان رنگ و بو
 ابلیس

سو زوساز و درود داغ و جستجو و آرزو

جریل

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو
 کیا نہیں ممکن کہ تیر اچاک دامن ہو رفو
 ابلیس

آہ اے جریل تو واقف نہیں اس راز سے
 کر گیا سر مست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو

اب یہاں میری گزر ممکن نہیں ممکن نہیں
 کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کو
 جس کی نومیدی سے ہو سوز درون کائنات
 اس کے حق میں تقطوا چھا ہے یا لا تقطوا

جبرئیل

کھود یئے انکار سے تو نے مقامات بلند
 چشم یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو
 ابلیس

ہے مری جرأت سے مشت خاک میں ذوق نمو
 میرے فتنے جامہ عقل و خرد کا تارو پو
 دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر
 کون طوفان کے طما نچے کھارہا ہے میں کہ تو
 خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
 میرے طوفان یہم بہ یہم دریا بہ دریا جو بہ جو
 گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
 تھہ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا ہو
 میں کھلتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح
 تو فقط اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

-[17]- مسجد قرطبة: علامہ اقبال

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ پر دورنگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فناں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب صیرفی کائنات
تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خودا ک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر روای کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق قیہہ حرام عشق امیر جنود

عشق ہے ابنِ اس بیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نوریات عشق سے ناریات
اے حرم قرطہ عشق سے تیر اوجود
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو رو سرو د
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود
شووق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخل
تیرے دروازام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذاؤں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و دس کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحلیل
ساتھ ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھ ہے اس کا رحیق تفعیل ہے اس کی اصل
مرد پاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مو من کاراز
اس کے دونوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مو من کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادادل فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ جہاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ انجم میں ہے تیری زمیں آسمان

آہ کے صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا المنی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک روائ
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغرب یوں کا جہاں
ملت رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لنڈت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جو اں
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گفتگو گرم دم جتنجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا لقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین مبیں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت پورپ میں تھی جن کی خرد راہ بین
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جمیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفقت ہے سحاب
اعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
علم نو ہے ابھی پر دہ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پر دہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے
لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کنگمش انقلاب
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیضِ عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظامِ مہر کی صورتِ نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسیح و خضر سے او نچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
 بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
 اگر سیاہِ دم داغ لالہ زارِ توام
 دگر کشادہ جبینم گل بہارِ توام
 چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہتِ گل
 ہوا ہے صبر کا منظورِ امتحان مجھ کو
 چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
 شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
 نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحراء ہوں
 کیا خدا نے نہ محتاجِ باغبانِ مجھ کو
 فلکِ نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
 تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیکِ مجھ کو
 مقامِ ہم سفروں سے ہوا س قدر آگے
 کہ سمجھے منزلِ مقصود کاروائیِ مجھ کو
 مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
 کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمانِ مجھ کو
 دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر

تری جناب سے ایسی ملے فعال مجھ کو
 بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
 چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
 پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
 کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
 وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
 رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعایہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گلی رہے خندان
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

-[19]- خضر راہ: علامہ اقبال

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا مجنو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب

شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریا نرم سیر
تھی نظر جی راں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے گھوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطرب تھی کہیں گھرائیوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضو گرفتار طسم ماہتاب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیما خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازل
چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے جاب
دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستہ ہوا
اے تری چشم جہاں بیں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
کشیہ مسلکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موئی بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
نوجاں اقوام نو دولت کے ہیں پیر ایہ پوش
گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ

خاک و خنوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب حضر

صغر انور دی

کیوں تعجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے

یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل

اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں

گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رہیں

ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام

وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل

وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صبح

یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبر نیل

وہ سکوت شام صحر امیں غروب آفتاب

جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل

اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں

اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل

تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش

اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل

پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی

ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی

زندگی بر تراز سود و زیاں ہے زندگی

زندگی بر تراز اندر یہ سود و زیاں ہے زندگی

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

تو اسے پیجاتہ امر و زو فرد اسے نہ ناپ
جاو داں چیم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنجیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلوم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیر امتحان ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنبور تو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
تایہ چنگاری فروغ جاو داں پیدا کرے
خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے

پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتابوں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی مو سی طسم سامری
سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
تاتراشی خواجہ از بر ہمن کافر تری
ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنواب قیصری
دیو استبداد جمہوری قبائل پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزرے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضائے مجلس الاماء
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

سرماہی و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپنے یام دے
حضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شانخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غربیوں کو زکوٰۃ
ساحر الموطنے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شانخ نبات
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مر انداں خیالی دیو تاؤں کے لیے
سکر کی لذت میں تو لٹو اگیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انہنائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجپے ساں غال فل ترے دامن میں شبنم کب تک
لغمہ بیداری جمہور ہے سامان عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام

دوری جنت سے روتی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرمائے یہ کہتی ہے بہار
 زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
 کر کم ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو
 دنیا نے اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے مٹھیت کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
 ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
 جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
 لے رہا ہے مے فروشان فرغتیاں سے پارس
 وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
 حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
 ہو گیا مند آب ارزان مسلمان کا لہو
 مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتا نے راز
 گفت رومی ہر بنا نے کہہ کا باداں کنند
 می مدنی اول آں بنیاد راویراں کنند
 ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں
 حق تراچشمے عطا کر دست غافل در گمر
 مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
 موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر ناتھاک کا شتر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خنوں مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا عربی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاسی غمی را ز جلی ہشیار باش
اے گرفقار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تونے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موج مضطركس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جود دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہاں بیور دیکھ
کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھنڈلی سی اک تصویر دیکھ
آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس

سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
هر زمان پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[20]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیاۓ دوں
ساکنان عرشِ اعظم کی تمباوں کا خون
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا ابلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر گنوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ حکام ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سبود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں

ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سمعی پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طوافِ دنچ کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کندھو کر رہ گئی مومن کی تنخ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جبت ہے یہ فرمانِ جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی بجہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بنی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہر یاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطان غیر کی کھتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر رول چلگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب

ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تجلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار د کتاب
کیا تاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
شرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر امیں کو مناطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تونے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیم و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام

اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قبہ ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشی ہورہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روز گار
 چھاگئی آشفۃ ہو کرو سمعت افلاک پر
 جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فرد اکی بہیت کایہ عالم ہے کہ آج
 کا نپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوہر
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزبر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-لینن:علامہ اقبال [21]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائیدہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے بنا تات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا ملکیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
 تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں

حل کرنے سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیر افلاک کے نیچے^ر
کانٹے کی طرح دل میں گھنکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پر قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعایتی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارتیں
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مغاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیٹے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلات
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے بر ق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مردوت کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات

مے خانہ کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یاغاڑہ ہے یا ساغر و بینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گاسرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روزِ مكافات

-[22]- ناک: علامہ اقبال

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پرواہ کی
 قدر پچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جو زندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 برہمن سرشار ہے اب تک متے پندار میں
 شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا

پھر اُٹھی آخر صد او حید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

[23]- تصویر درد: علامہ اقبال

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغان میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مراونا نہیں رونا ہے یہ سارے گستاخ کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا نژاد میری
دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
زفیض دل طبیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دھر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویا میں
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں

پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدروت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپنور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساتی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار لکھیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائریں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دنوں میں
رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیارونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گل چین
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو

وَظِيفَةُ جَانِ كَرْبَلَاءَ هَذِهُ هُنَى طَائِرَ بُوتَانُوں مِنْ
وَطْنٍ کی فَکْرٍ کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بر بادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھر آکیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
ز میں پر تو ہو اور تیری صد اہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
اہورورو کے محفل کو گلتان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چجن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسلیج میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشاتوںے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پاتوںے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشاتوںے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائوںے
تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے براتوںے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرد میں باندھ رکھی ہے صد اتوںے
صفائے دل کو کیا آراش رنگ تعلق سے
کف آئینے پر باندھی ہے اوناداں حنا توںے
ز میں کیا آسمان بھی تیری کج بنی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا توںے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندرار کو اپنا خدا توںے
کنویں میں تو نے یوسف کو جودیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا توںے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو ترپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذر انتظارہ ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا

نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تھسب ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درمان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراسے ٹھیک سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح ٹھیک آرزور ہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور ہنا

شراب بے خودی سے تافک پرواز ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور ہنا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور ہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور ہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں مگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجور ہنا
نہ رہاپنوں سے بے پرواہی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خور ہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور ہنا

محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
 کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
 بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
 یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
 محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
 جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
 مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شعاع بھن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے سقوں بھی کوہ کن بھی ہے
 اجاڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تدریشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

- طالب علم : علامہ اقبال [24]-

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بھر کی موجودوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

-ذوق و شوق: علامہ اقبال [25]-

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دُدہ وجود
دل کے لیے ہزار سو دل ایک نگاہ کا زیان!
سرخ و کبود بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیں دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بھجی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں
آئی صدائے جبریل تیر ا مقام ہے بھی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے بھی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات!

صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معزکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریاب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلو تیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلو تیان میکدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سر گزشت کھوئے ہوؤں کی جتبو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائی صاحب ساز کا لہو!
فرصت کشمکش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر او جود الکتاب!
گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرا ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
شوق ترا آگرنہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پاگئے
عقل، غیاب و جتبو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ وتار ہے جہاں گردش آفتاب سے!

طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے چاب سے!
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخيیل بے رطب!
 تازہ مرے ضمیر میں معمر کہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشد
 عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب!
 عالم سوزوساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بھر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جور، ہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-[26]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفتہ میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شت
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کونا ز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے بھی

روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

-نیاشوالہ: علامہ اقبال [27]-

سچ کہہ دول اے بر ہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تیگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک و طلن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آن غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
چھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹادیں
سوئی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آک نیاشوالہ اس دیں میں بنادیں
دنیا کے تیر تھوں سے اونجاہوا پنا تیر تھ
دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منڑوہ میٹھے میٹھے
سارے پچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-[28]- عورت: علامہ اقبال

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

-[29]- والدہ مر حومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجبور ہے نہش و قمر مجبور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نمو گزار میں
نغمہ ببل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روائ
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں

لغہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبسم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ماہیہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیر گنگی دوراں نہیں
دل مراجیراں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پایندہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سنگدل شر مندہ ہے
موح دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہ بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھا پے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور

زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میر انتظار
کون میر اخطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربيت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مدد
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفلک بے دست و پارو تا ہے وہ
صبر سے نآشنا چھ و مساروتا ہے وہ
تحم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طلس م دوش و فرد امیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائ ہے موت

گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرائیزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قالے میں غیر فریاد دراکچھ بھی نہیں
اک منتع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نا لہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
مجھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبز کر دے گی انہیں باد بھار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات

ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہیں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوابالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جتیور رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگالیاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثل شمع روشن محفل تدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعله یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا

کم بہا ہے آفتاب اپناتاروں سے بھی کیا
ختم گل کی آکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فرزائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسرده ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبایل زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشقتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتانالہ ماتم نہیں
وقت زخم تخف فرقہ کا کوئی مر ہم نہیں
سر پہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیہم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں رووال
ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شنک آباد سے

آدمی تاب شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افسانی سے ہے
سردیہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فعال غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صبح
الله افسرده کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زبان طاڑ کو سرمست نواکرتی ہے یہ
سینہ بلبل کے زندال سے سرو د آزاد ہے
سیکڑوں نغموں سے باد صبح دم آباد ہے
خفته گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجمام صبح
دام سیمین تخلیل ہے مر آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
جیسے کبھی میں دعاوں سے فضامعمور ہے
وہ فرانچ کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
مختلف ہر منزل ہستی کورسم و راہ ہے

آخرت بھی زندگی کی ایک جو لال گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزان ہوترا
 نور سے معمور یہ خاکی شبتاب ہوترا
 آسمان تیری لحد پر شبتم اشنا کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نمہبانی کرے

-مرزا غالب: علامہ اقبال [30]-

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخيّل کی رسائی تا کجا
 تھا سر اپارو ح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کوہ سار
 تیرے فردوس تخيّل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے بین عالم سبزہ وار
 زندگی مضر ہے تیری شوخی تحریر میں

تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محوجرت ہے ثریار فعت پرواز پر
 شاہدِ مضمومِ قصد ق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنجپر دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویبر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
 لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ میں
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزائی پروانہ ہے
 اے جہاں آباداے گھوارہ علم وہنر
 ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

[31]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال بیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گرال سمجھتا ہے

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

-روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال [32]-

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیکھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوہ بے پرده کو پرده میں چھپا دیکھ!
ایام جدائی کے ستم دیکھ جھاد کیکھ!
بیتاب نہ ہو معرکہ بیم و رجاد کیکھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئکیں ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے چھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپیدترے بحر تھیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعیر خودی کراثر آہ رساد کیکھ
خورشید جہاں تاب کی خوتیرے شر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جن تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش چیم کی جزا دیکھ!
نا لندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے

تو جنس محبت کا خریدار ازال سے
تو پیر صنم خانہ اسرار ازال سے
محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازال سے
ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کچھ!

[33]- مارچ 1907: علامہ اقبال

زمانہ آیا ہے بے جا بی کا عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیسیں گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحر ایسوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحر اسے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمیں میں
تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منه پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توں کا
ہزار موجودوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا

چن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
 جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 بہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاپے گل ہیں
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے چن کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنمش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروائی کو
 شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹھانجھے مثل شرار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قرطبه: علامہ اقبال [34]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ ر دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات

تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب صیرنی کائنات
تو ہوا اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تاباک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات

عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطبه عشق سے تیر او جود
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رگنگ ہو یا خشت و سنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسو ز و سرو و سرو د
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے پسہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سبود
کافر ہندی ہوں میں دکھے مراذوق و شوق
دل میں صلاوة درود لب پہ صلاوة درود
شو ق مری لے میں ہے شو ق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخیل
تیرے درو بام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سلتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل

اس کی زمیں بے حد و داں کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج جلد و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحل
ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھ ہے اس کا رحیق تنخ ہے اس کی اصل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنه لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی اداد فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوعے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ ججاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ انجمن میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے

عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا المٹی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتنی نازک رواں
حشم فرانسیس بھی دیکھی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زمدم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک بازار
نقطہ پر کار حق مرد خدا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں

جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
 ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد را بیں
 جن کے اہو کے طفیل آج بھی ہیں اند لسی
 خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جیں
 دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھتا ہے کیا
 گند نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
 وادی کھسار میں عرق شفق ہے سحاب
 لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
 سادہ و پر سوز ہے دختر دھقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پرداہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
 پرداہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ا Mum کی حیات کھمکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیضِ عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ مہر کی صورتِ نظام ہے تیرا
تری لمحہ کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسکن و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہِ دلم داغ لالہ زارِ توام
دگر کشادہ جینمِ گل بہارِ توام
چجن کو چھوٹ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل
ہوا ہے صبر کا منظورِ امتحانِ مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شرابِ علم کی لذت کشان کشانِ مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاجِ باغبانِ مجھ کو
فلکِ نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیکیِ مجھ کو
مقامِ ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کا روایںِ مجھ کو
مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمانِ مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغالِ مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے

چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
 پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جیں
 کیا جنہوں نے محبت کاراز داں مجھ کو
 وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
 رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی گلی
 بنایا جس کی مرودت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاضِ دہر میں مانند گل رہے خداں
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے گلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ الجاجے مسافر قبول ہو جائے

-[36]-**الجاجے مسافر:** علامہ اقبال

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جانب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی

میں خنجر سے اوپر مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
دگر کشادہ جینم گل بہار توام
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکھٹ گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شرابِ علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحراء ہوں
کیا خدا نے محتاجِ باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیک مجھ کو
مقامِ ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغالِ مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جیں
کیا جنہوں نے محبت کارا زدیں مجھ کو
وہ شمع بارگہ بے خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو

نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی گلی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاضِ دہر میں مانند گل رہے خداں
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے گلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجاء مسافر قبول ہو جائے

[37]-حضر راہ: علامہ اقبال

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزایا ہوا آسودہ دریازم سیر
 تھی نظر جیوال کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفل شیر خوار
 موج مضطرب تھی کہیں گھرائیوں میں مست خواب
 رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
 انجم کم ضو گرفتار طسم ماہتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیا خضر

جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
 چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے حباب
 دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
 میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا
 اے تری چشم جہاں میں پروہ طوفان آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خوش
 کشیہ مسلکین و جان پاک و دیواریتیم
 علم موسیٰ بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد اودوش
 زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خوش
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا متحاں مقصود ہے

جواب خضر

صحر انور دی

کیوں تجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے

یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دل میں
اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل
ریت کے ٹیکے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگا م صح
یانمایاں بام گردوں سے جبین جبریل
وہ سکوت شام صحرائیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں توزنجیری کشت و نخل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
زندگی بر تراز سودوزیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندر یشہ سودوزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امر و زو فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر آگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و نیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب

اور آزادی میں بھر بکر اہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنفس سے
 گرچہ اک مٹی کے پکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
 اس زیاں خانے میں تیر امتحان ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چنگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتتاب
 تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا مخوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقہ گردن میں سازدلب ری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
 سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بیان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاتراشی خواجه از بر ہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنواب قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گفتار اعضائے مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلتستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی

اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
ساحر الموطنے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مر انداں خیالی دبوتاوں کے لیے
سکر کی لذت میں تو شوگیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انہنائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجپ ساں غال فل ترے دامن میں شبنم کب تلک
نغمہ بیداری جمہور ہے سلامان عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تلک
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تلک
باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار
زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تلک
کر کم ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دنیاۓ اسلام

کیا سنا تا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
مجھ سے کچھ پنهان نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تنشیث کے فرزند میراث خلیل
خشش بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
کلکٹرے کلکٹرے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز
ہو گیا نند آب ارزان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داناے راز
گفت روی ہر بناۓ کہنہ کا باداں کنند
می نداني اول آں بنیاد راویراں کنند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کر دست غافل در گمر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے نکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بھیا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس کنکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابجاک کا شغیر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا

ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گھر
 نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
 اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر
 تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
 لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
 اے کہ نشاسی نغمی راز جلی ہشیار باش
 اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
 عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تائیر دیکھ
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
 مونج مضر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جود یکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان چیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لای مختلف المیعاد دار

-[38]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیا یے دوں
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوب
 اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسون
 میں نے ناداروں کو سکھلایا سبقِ تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرما یہ داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتشِ سوزاں کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیں کا سوز دروں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
 پختہ تر اس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدار میں وجود
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
 آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
 ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
 یہ ہماری سمیٰ پیغم کی کرامت ہے کہ آج
 صوفی و ملائکت کے بندے ہیں تمام
 طبعِ مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
 ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
 ہے طوافِ وحی کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
 کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام

کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مردم مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر ہوں چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے چلی وہ مسح بے صلیب
نبیست پیغمبر و لیکن در بغل دار د کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی رگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
تو ٹردی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کارومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر الیس کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہاں سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے دانائے کار

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار

کام تھا جن کا فقط لقدریں و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شر مسار

گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراتست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز

ہر قبہ ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زانغ دشی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ

کلتی سرعت سے بدلتا ہے مزانج روز گار
چھائی آشنا ہو کرو سمعت افلاک پر

جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار

فتنہ فردا کی بیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مر غزار و جو نبار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزبر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

[39]- لینن: علامہ اقبال

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینڈہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم منغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا ملیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
 تو غالی اعصار و نگار ندہ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
 جب تک میں جیاخیمہ افلاک کے نیچے
 کائنٹ کی طرح دل میں ہٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
 جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
 وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات

مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعناوی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں اہمودیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مردوت کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطرنے کیامات
مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیران خرابات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
یاغاڑہ ہے یا ساغرو بینا کی کرامات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ

دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

-[40]- نانک: علامہ اقبال

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہریک دانہ کی
آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکاراں نے کیا جوزندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شعح حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارشِ رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
ورد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شعح گو تم جل رہی ہے محفلِ اغیار میں
بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

-[41]- تصویر درو: علامہ اقبال

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری

یہ دستور زبان بندی ہے کیا تیری محفل میں
یہاں توبات کرنے کو ترسنی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
چن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فقاں میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
اہلی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا ونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستان کا
وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری
دریں حسرت سر اعمیست افسون جرس دارم
زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دہر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری گبڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو رت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپا نور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی

میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیکانہ
میں اس مے خاتمہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایا سبیاں مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثریہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تراظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچین
تری قسمت سے رزم آرائیاں بیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے بیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے بیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہنی کی دستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہوا اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

نہ سمجھو گے تو مت جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامز ن محظوظ فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
اہوروں کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم پینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بسمی محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیوں
تعصب چھوڑنا داں دہر کے آئینہ خانے میں

یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدا تو نے
صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اوناداں حتا تو نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بنی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلپا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذرانظارہ ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصباً ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خورشید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبم کو
پھر اکرتے نہیں مجر وحافت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذر سے نجت سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تخف آرزو رہنا
علان جزم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تافلک پرواز ہے میری
نکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور رہنا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں

غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساگر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجور رہنا

نہ رہا پنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خور رہنا

شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور رہنا

محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ دیرانہ نفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا

چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سواں ہو تو شمعِ الجمن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
 اجاڑا ہے تمیز ملت و آئین نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر و طن بھی ہے
 سکوت آموز طولِ داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تر رشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں جاموشی ادا کردم

- طالب علم: علامہ اقبال [42]-

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجود میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

- ذوق و شوق: علامہ اقبال [43]-

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کا سماں
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
 حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دہ وجود
 دل کے لیے ہزار سو دا یک نگاہ کا زیاں!

سرخ و کبود بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کاروان
آئی صدائے جبریل تیر ا مقام ہے مبھی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و زگاہ کا مرشد او لیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معز کہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آئیے کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکھلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکیدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روای صاحب ساز کا لہو!
فرصت کنکش میں ایں دل بے قرار را
یک دشکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوجود الکتاب!
گند آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرا ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فتر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
شوچ ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گز شتر روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخلی بے رطب!
تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
گاہ بجیلے می برد، گاہ بزوری کشید
عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہاء عجب!

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-رام:علامہ اقبال [44]-

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہنودستان کونا ز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

-نیاشوالہ:علامہ اقبال [45]-

چ کہہ دول اے بر ہمن گرتوب رانہ مانے

تیرے صنم کدوں کے بہت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیرکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی سور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقشِ دولی مٹا دیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیا شوالہ اس دل میں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
 ہر صح اٹھ کے گائیں منتروہ میٹھے میٹھے
 سارے چباریوں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [46]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی

کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

-والدہ مر حومہ کی یاد میں: علامہ اقبال [47]-

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجبور ہے نہش و قمر مجبور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہو گلزار میں
نغمہ ببل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیال
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روائ
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا گلزار اول آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبکم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز

میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجیروں نہیں خنده نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیغم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائندہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواہ کا
رفتہ و حاضر کو گویا پابہ پاس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کاشمور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خلطہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا

اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرزا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرزا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نآشنا صبح و مساروتا ہے وہ
تختم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ بننا ویبر
آدمی ہے کس طسم دوش و فردامیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائی ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کسی کسی دنتران مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قافلے میں غیر فریاد دراکچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لاہے و گل ہیں تو کیا
ناہے و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبز کر دے گی انہیں باد بہار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیا نظام کائنات
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موچ مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موچ کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ

کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنا کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے بیت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادافی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آنتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
چشم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فزاںی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسر دہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں

پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمد
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے

خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا

زخم فرقت وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تحتمنا لہ ما تم نہیں

وقت زخم تیخ فرقت کا کوئی مر ہم نہیں
سرپہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیہم دیدہ انسان سے ہوتے ہیں روایاں
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے

خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکیباں سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں

آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردیہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فغال غفلت کی خاموشی نہیں

آگھی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طاڑ کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندگی سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہو ہر شام صح
 مرقد انسان کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
 دام سینیں تخلیل ہے مر آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاؤں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا تجم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صح کے تارے سے بھی تیر اسفر

م مثل ایوان سحر مرقد فروزان ہوتا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوتا
 آسمان تیری لحد پر شبتم افشا نی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

-مرزا غالب:- علامہ اقبال [48]-

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تختیل کی رسائی تا کجا
 تھاسرا پاروح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری بر بلط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تختیل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
 زندگی مضمر ہے تیری شوخي تحریر میں
 تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محوجیت ہے ثیرارفت پرواپر
 شاہد مضموم تصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویبر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے

لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکلتے ہیں
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزائی پروانہ ہے
 اے جہان آباداے گھوارہ علم وہ نہ
 ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-مرزا غالب: علامہ اقبال [49]-

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تجھیل کی رسائی تاکجا
 تھاسرا پاروح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تجھیل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار

زندگی مضمرا ہے تیری شوخی تحریر میں
 تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محوجرت ہے ثریار فعت پرواز پر
 شاہد مضموم تصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویبر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
 اطف گویائی میں تیری ہم سری مکن نہیں
 ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ بین
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
 اے جہان آباداے گھوارہ علم وہ سر
 ہیں سر اپنانہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پنهان کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-نماز: علامہ اقبال [50]-

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات

یہ ایک سجدہ جسے تو گراؤ سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[51]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوہ بے پردہ کو پردہ میں چھپا دیکھ!
ایام جدائی کے ستم دیکھ جنحہ دیکھ!
بیتاب نہ ہو معرکہ یہم ورجاد کیجھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوا میں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آنکیہ ایام میں آج اپنی اداد کیجھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپید ترے بحر تختیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کراڑ آہ رساد کیجھ
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش چیم کی جزا دیکھ!

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
 تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
 تو پیر صنم خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خوب ریزو کم آزار ازل سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضادیکھ!

-مارچ 1907ء: علامہ اقبال [52]-

زمانہ آیا ہے بے جوابی کا عام دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
 گزر گیا ب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیسیں گے
 بڑھنے پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
 سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
 جو عہدِ حمرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
 نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
 سنانہ یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
 کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
 تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منه پھٹ ہے خوار ہو گا
 دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
 کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
 تمہاری تہذیب اپنے خبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
 جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
 سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توں کا

ہزار موجوں کی ہو کشاکش گمراہیہ دریا سے پار ہو گا
 چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
 جو ایک تھاۓ نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہ گلی ہیں
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
 شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹنائجھے مثال شر ار ہو گا
 ن پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قرطہبہ: علامہ اقبال [53]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ ریور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں

جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب صرفی کائنات
تو ہو اگر کم عمار میں ہوں اگر کم عمار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خودا ک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مسی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق قیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخ
عشق سے نوریت عشق سے ناریت
اے حرم قرطباً عشق سے تیر او جود
عشق سر پادوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرو
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش محلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراد و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود
شوّق مری لے میں ہے شوّق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنان پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم خجیل
تیرے درو بام پروادی ایمن کا نور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبرئیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے

اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حدود اس کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحل
ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھ ہے اس کا رحیق تنخ ہے اس کی اصل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دونوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سر و راس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی اداد فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ اجمیں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا المني شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت رومنی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جواں
روح مسلمان میں ہے آج وہی امطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں
زرم دم گفتگو گرم دم جتجو
رزم ہو یا زم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب

سلطنتِ اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
 جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
 ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خرداراہ بیں
 جن کے لہو کے طفیل آج بھی بیں اند لسی
 خوش دل و گرم اختلاطِ سادہ و روشن جبیں
 دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
 گنبدِ نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
 وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
 لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
 سادہ و پرسوز ہے دخترِ دھقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے میل ہے عہدِ شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پر دہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے جواب
 پر دہ اٹھادوں اگر چہرہ افکار سے
 لانہ سکے گافرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہوا انقلابِ موت ہے وہ زندگی
 روحِ امم کی حیات کشمکش انقلاب
 صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمامِ خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خامِ خون جگر کے بغیر

فرشته پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیضِ عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
بڑی ہے شانِ بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہِ دلمِ داغِ لالہ زارِ توام
دگر کشادہ جہیمِ گلِ بہارِ توام
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل
ہوا ہے صبر کا منظورِ امتحانِ مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگرانے سے
شرابِ علم کی لذتِ کشانِ کشانِ مجھ کو
نظر ہے ابرِ کرم پر درختِ صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاجِ بغباںِ مجھ کو
فلکِ نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نر دبائیں مجھ کو
مقامِ ہم سفروں سے ہوا سقدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کا روایاںِ مجھ کو
مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمانِ مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغاںِ مجھ کو

بنیا تھا جسے چن چن کے خارو خس میں نے
 چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
 پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
 کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
 وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
 رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
 بنیا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گل رہے خندان
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جاں جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [55]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزایہوا آسودہ دریا نرم سیر

تھی نظر جیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے گھوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطرب تھی کہیں گھرائیوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضوگر فقار طسم ماہتاب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیا خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جو یائے اسرار ازال
چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے حباب
دل میں یہ سن کر پاہنگامہ محشر ہوا
میں شہید جنتو تھایوں سخن گستردی ہوا
اے تری چشم جہاں بیں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
کشیہ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موسیٰ بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد اودوش
زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب خضر

صرخ انور دی

کیوں تعجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے
یہ تنگا پوئے دادا م زندگی کی ہے دلیل
اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رہیں
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و سماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمودا ختر سیما ب پاہنگام صح
یانمایاں بام گردوں سے جبین جبر نیل
وہ سکوت شام صحر امیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز سودا زیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندیشہ سودا زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امر و زور فردا سے نہ ناپ

جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشه و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنجیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھر اہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیر امتحان ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زناہ رتو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوت پہاں کو کردے آشکار
تایہ چنگاری فروغ جاوداں پیدا کرے
خاک مشرق پر چمک جائے مثل آفتاب
تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
سوئے گردوں نالہ شبکیر کا بھیجے صیر
رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آباتاؤں تجھ کور مز آیہ ان الملوك
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
سروری زیب افقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
تاتراشی خواجہ از بر ہمن کافر تری
ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
جس کے پر دوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضاۓ مجالس الامان
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
اس سراب رنگ و بو کو گلتستان سمجھا ہے تو
آہ اے نادال قفس کو آشیان سمجھا ہے تو
سرمایہ و محنت

بندہ مزدور کو جاکر مر اپیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیغام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ بنا ت
نسل قومیت کیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مر انداں خیالی دیپتاوں کے لیے
سکر کی لذت میں توٹو گیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انہتائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجہ ساں غال ترے دامن میں شبنم کب تک
نغمہ بیداری جمہور ہے سامان عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک

باغبان چارہ فرمائے یہ کہتی ہے بہار
رخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
کرمک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دنیاۓ اسلام

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
مجھ سے کچھ پنهان نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تسلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
کلکڑے کلکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز
ہو گیا مند آب ارز ان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں دانتے راز
گفت رومنی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کنند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کر دست غافل در گر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات

ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تاجاک کا شغر
جو کرے گا اتیاز رنگ و خنوں مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تاختلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاسی خفی راز جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھنڈلی سی اک تصویر دیکھ
آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
هر زمان پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[56]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیاۓ دوں
ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
اس کی بر بادی پر آج آمادہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسou
میں نے ناداروں کو سکھلا یا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غربیوں کے مقدر میں سبود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

یہ ہماری سمحیٰ پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاؤکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ تو ای سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تخفیتے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مردم مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملاؤکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کار و بار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر رون چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب

وہ کلیم بے جعلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دکتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑدی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کا رومتہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیز رکود کھایا ہم نے پھر سیز رکا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر الیں کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تونے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
املہ جنت تری تعلیم سے دانائے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار

وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قبہ ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تاریخ
 زاغ دشمنی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چراغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزانِ روزگار
 چھاگئی آشفۃ ہو کرو سعیتِ افلک پر
 جس کو نادانی سے ہم سمجھتے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فردائی کی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کا پنچتے ہیں کوہ سار و مرغ، ارجوں بیمار
 میرے آقا وہ جہاں زیرِ وزیر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-لینن: علامہ اقبال [57]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینده تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے بنا تات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا ملکیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
 تو خالی اعصار و نگار ندہ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنے سکے جس کو حکیموں کے مقالات

جب تک میں جیا خیمہ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں ھٹکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پر قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلرات
پورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعائی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہ ہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پینتے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مردود کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
مے خانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل

بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گاسر ما یہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

-[58]- نانک: علامہ اقبال

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
 قدر پیچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جوز ندگی کارا ز تھا
 ہند کو لیکن حیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
 شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر اٹھی آخر صد الوجید کی پنجاب سے

ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

- تصویر درد: علامہ اقبال [59]-

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خوشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
چجن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طویلوں نے عندلیبوں نے
چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فقاں میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپادرد ہوں حضرت بھری ہے داستان میری
اہلی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاؤ داں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گستاخ کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
دریں حضرت سر اعمريست افسون جرس دارم
زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دہر میں نا آشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری گبڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویا می
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا

سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدوڑت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزیں ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیال مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تر انتارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلپیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بھلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں

وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذراد یکھ اس کو جو کچھ ہورہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
بھی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن محظوظ فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلتستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفتہ کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے

گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشاتو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائو نے
تعصب چھوڑنا داں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائو نے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گردہ میں باندھ رکھی ہے صدائو نے
صفائے دل کو کیا آراکش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اونا داں حاتو نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھام قید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو تڑپتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذرانظر ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو

شجر ہے فرقہ آرائی تعصباً ہے ثم راس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درمان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراء سے نقش سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح نقش آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور ہنا

شراب بے خودی سے تافک پر واز ہے میری
نشست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بورہ نہ
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور ہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور ہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجور ہنا
نہ رہ اپنوں سے بے پرواہی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خور ہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور ہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفا یار قوموں نے

کیا ہے اپنے بخت خفقتہ کو بیدار قوموں نے
 بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
 یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
 محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
 جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
 مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا جس میں علاج گردوش چرخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع الجہن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہرشے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے سقوں بھی کوہ کن بھی ہے
 اجڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر و طن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تہ رشیتہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بجاموشی ادا کردم

- طالب علم: علامہ اقبال [60]-

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجودوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
 حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پرده وجود
 دل کے لیے ہزار سو دلیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
 کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
 گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیں دھل گئے
 ریگ نواح کا ظلمہ نرم ہے مثل پرنیاں
 آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
 کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارداں
 آئی صدائے جریل تیر ا مقام ہے بھی
 اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے بھی
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
 کہنے ہے بزم کا کنات تازہ ہیں میرے واردات!
 کیا نہیں اور غزنوی کا رگہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
 ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
 نے عربی مشاپدات، نے عجمی تخیلات
 قافلہ ججاز میں ایک حسین بھی نہیں
 گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
 عقل و دل و نگاہ کا مرشد او لیں ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
 صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!

معز کرہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلو تیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلو تیان میکدہ کم طلب و تھی کدوا!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سر گزشت کھوئے ہوؤں کی جتبو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائی صاحب ساز کا ہو!
فرصت کٹکٹش میں ایں دل بے قرار را
یک دوشکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر او جود الکتاب!
گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیرے اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا بجود بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پاگے
عقل، غیاب و جتبو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخیل بے رطب!
 تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشہ
 عشق کی ابتداء جب عشق کی انتہا جب!
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہو فراق!
 مونج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

[62]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفتہ میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہندوستان کونا ز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغِ بدایت کا ہے بھی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند

تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوش مجت میں فرد تھا

-[63]- نیاشوالہ: علامہ اقبال

چ کہہ دول اے برہمن گر تو بانہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فمانے
پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پر دے اک بار پھر اٹھادیں
پھر ٹھوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹادیں
سوئی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آک نیاشوالہ اس دیں میں بنادیں
دنیا کے تیر تھوں سے اونجا ہو اپنا تیر تھ
دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منترو وہ میٹھے میٹھے
سارے پچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکنی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

[64]- عورت: علامہ اقبال

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

[65]- والدہ مر حومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندائی تقدیر ہے
پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے نہش و قمر مجور ہیں
اخجم سیما ب پار فتار پر مجور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سزہ و گل بھی ہیں مجور نمو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روای
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں

علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبکم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ماہیہ دار اشک عنابی نہیں
جاننا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجیروں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سنگدل شر مندہ ہے
موح دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پروازا کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم

صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں، ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجادا کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفلک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نآشنا چھج و مساروتا ہے وہ
تخم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طلس م دوش و فردامیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نسیم ارزال ہے موت

زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں

کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت

موت ہے ہنگامہ آر اقلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے

قالے میں غیر فریاد دراکچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی

سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا

جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبر کر دے گی انہیں باد بہار جاؤ داں

خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا

زندگی کی آگ کا انجمام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے

موت کے ہاتھوں سے مست سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات

ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں

جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہیں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیال کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سرب زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا

ختم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فرزائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسرده ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفۃت کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمد
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے

خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس ٹکشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا

زخم فرقہ وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوس سے تحمتانالہ ما تم نہیں
وقت زخم تفعیل فرقہ کا کوئی مرہم نہیں
سرپہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیہم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایاں
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شنک آباد سے
آدمی تاب شکلیبائی سے گو محروم ہے

اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردی یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فعال غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دل اسائی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسرداہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طائر کو سرمست نواکرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندال سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہوہر شام صح
 مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
 دام سیمین تخلیل ہے مر آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاوں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جوالاں گاہ ہے

ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 سازگار آب و ہوا تنجم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزان ہوترا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوترا
 آسمان تیری لحد پر شبتم افشاںی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

-مرزا غالب: علامہ اقبال [66]-

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخيّل کی رسائی تاکجا
 تھا سر اپاروح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پنهان بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تخيّل سے ہے تدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگئے بیں عالم سبزہ دار
 زندگی مضر ہے تیری شوخی تحریر میں
 تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں

نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محجیرت ہے ثریارفت پرواز پر
 شاہد مضمون تصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجزی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویسیر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
 لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخيّل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ میں
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزائی پروانہ ہے
 اے جہان آباد اے گھوارہ علم و هنر
 ہیں سر اپانالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں سش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پنهان کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-[67]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

-روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال [68]-

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوہ بے پرده کو پرده میں چھپا دیکھ!
ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ!
بیتاب نہ ہو معرکہ پیغم و رجاد کیجھ!
بیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضا میں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوا میں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آنکینہ ایام میں آج اپنی اداد دیکھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپید ترے بحر تخلیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کراذر آہ رساد دیکھ!
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جن تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش پیغم کی جزاد دیکھ!
نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جنس محبت کا خریدار ازل سے

تو پیرِ خشم خاتمة اسرار ازل سے
محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
ہے راکبِ تقدیر جہاں تیری رضا دیکھو!

[69]- مارچ 1907: علامہ اقبال

زمانہ آیا ہے بے جوابی کا عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
گزر گیا ب وہ دور ساتی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آب سیسے گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
سنادیا گوش منتظر کو ججاز کی خامشی نے آخر
جو عہدِ صحر ایسوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحر اسے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمیں میں
تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے نجمر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مور نا تو اں کا
ہزار موجودوں کی ہو کشا کش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو

یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
 جو ایک تھاۓ نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 بھی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاپے گل ہیں
 تو غنچ کہنے لگے ہمارے چن کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارروائی کو
 شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مر اشعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹناتجھے مثال شر ار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قرطہبہ: علامہ اقبال [70]-

سلسلہ روز و شب نقش گرد حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ ریدور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ

سلسلہ روز و شب سیر فی کائنات
تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مسی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق نقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے این السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

اے حرم قرطبه عشق سے تیر او جو د
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رگنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرو د
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلاوة درود لب پے صلاوة درود
شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جیل تو بھی جلیل و جیل
تیری بنانیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخل
تیرے دروبام پر وادی ایکن کا نور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جریل
مٹ نہیں سلتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شغور

اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساتھ ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھ ہے اس کا رحیق تنغ ہے اس کی اصل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مو من کاراز
اس کے دونوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مو من کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادادل فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی بیں دل نشیں
بوعے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ چجاز آج بھی اس کی نواوں میں ہے
دیدہ انجم میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلة سخت جاں

دیکھ چکا لئی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت رومنی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جواں
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب

ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ میں
 جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
 خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
 دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
 گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
 وادی کہسار میں عرق شفق ہے سحاب
 لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
 سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پر دہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
 پر دہ اٹھادوں اگر چہرہ افکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح امم کی حیات کشمکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-[71]-**التجاء مسافر:** علامہ اقبال

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا

بڑی جناب تری فیضِ عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسکن و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہِ دلم داغِ لالہ زار توام
و گر کشادہ جیسمِ گل بہار توام
چین کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل
ہوا ہے صبر کا منظورِ امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شرابِ علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاجِ باغبان مجھ کو
فلکِ نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزد بیان مجھ کو
مقامِ ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کارروائی مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغالِ مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو

پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جیں
 کیا جنہوں نے محبت کاراز داں مجھ کو
 وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
 رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
 بنایا جس کی مرودت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گل رہے خندان
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شلگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ الچائے مسافر قبول ہو جائے

- خضر راہ: علامہ اقبال [72]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزایہوا آسودہ دریا نرم سیر
 تھی نظر جیساں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار

موجِ مضطرب تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب
رات کے افسوس سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضوگر فتار طسم مہتاب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیا خضر
جس کی بیبری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
چشمِ دل واہو تو ہے تقدیرِ عالم بے حباب
دل میں یہ سن کر بپاہنگا مامہ محشر ہوا
میں شہید جنتجو تھاپوں سخن گستر ہوا
اے تری چشمِ جہاں بیں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں نموش
کشیبی مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
علمِ موئی بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
زندگی کا راز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
نوجوان اقوامِ نو دولت کے بیں پیرا یہ پوش
گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرو د ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب خضر

صحرا نور دی

کیوں تجھ بہے مری صحرا نور دی پر تجھ
یہ تگاپوئے دماد م زندگی کی ہے دلیل
اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و سماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صبح
یانمایاں بام گردوں سے جین جبریل
وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے میں اے بے خبر راز سودا زیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز سودا زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیکانہ امر و زور فرد اسے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

سرآدم ہے خمیر کن فکاں ہے زندگی
 زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
 جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
 بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
 اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنسیر سے
 گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
 اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کردے آشکار
 تایہ چنگاری فروغ جادواں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
 تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبناوں تجھ کو مر آیہ ان الملوك
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا مکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
از غلامی فطرت آزاد رار سو امکن
تاتر اشی خواجہ از بر همن کافر تری
ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنوائے قیصری
دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضاۓ مجالس الامان
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
اس سراب رنگ و بو کو گلتاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
سرمایہ و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپیغام دے

خنز کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
ساحر الموط نے تجھ کو دیابرگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ بنا ت
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مرانا داں خیالی دیوتاؤں کے لیے
سکر کی لذت میں تو لٹو اگیان قدحیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انہتائے سادگی سے کھا گیا مز دورمات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہتھی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجپ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تک
نغمہ بیداری جہور ہے سماں عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
آفتاب تازہ پیدا بطن لگتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بھار
زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک

کر کے ناداں طواف شمع سے آزاد ہو

اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دنیاۓ اسلام

کیا سنا تا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان

مجھ سے کچھ پہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز

لے گئے مثنیت کے فرزند میراث خلیل

خشش بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ

جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز

لے رہا ہے مے فروشن فرنگستان سے پارس

وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی

ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز

ہو گیا مند آب ارزائ مسلمان کا ہو

مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داناۓ راز

گفت رومی ہر بناۓ کہنہ کا باداں کند

می ندانی اول آں بنیاد راویراں کند

ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں

حق ترا چشمے عطا کر دست غافل در گر

مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے نکست

موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات

ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو

ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شعر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تنا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاسی خفی راز جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سودہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستہ سمندر کو ہے سامان وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
آز مودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیا یے دوں
ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبقِ تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتشِ سوزال کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا ابلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سمیٰ چیز کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام

طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قوائی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود انگر
کار و بار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر چل چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے جلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار د کتاب

کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومتہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر ابلیس کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے داناے کار

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف

تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار

زاغ دشتی ہو رہا ہے، همسر شاہین و چرغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار
 چھائی آشفۂ ہو کرو سمعت افلاک پر
 جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنۂ فردائی بیبیت کایہ عالم ہے کہ آج
 کا پنچتے ہیں کوہ سار و مر غزار و جو نیبار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزبر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

[74]- لینن: علامہ اقبال

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائیدہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
 تو خالق اعصار و نگار ندۂ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
 جب تک میں جیاخیمہ افلاک کے نیچے
 کانٹے کی طرح دل میں گھنکتی رہی یہ بات

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشدہ فلرات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعانی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہ ہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے بر ق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
آٹھار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام

یاغازہ ہے یاسا غرو بینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

-ناک:علامہ اقبال [75]-

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پرواہ کی
 قدر پچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جو زندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 بر ہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
 شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتندہ پھر بعد مدت کے گمراہ روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
 ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
 خوشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
 یہ دستور زبان بندی ہے کیا تیری محفل میں
 یہاں توبات کرنے کو ترستی ہے زبان میری
 اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
 چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
 اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
 چبن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فناں میری
 پک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
 سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
 الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
 حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری
 مرارونا نہیں رونا ہے یہ سارے گفتان کا
 وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
 دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
 زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
 ریاض دہر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
 خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
 مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویاں
 میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
 پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
 سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو روت ہوں
 یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا

سر اپنور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیانہ
میں اس مے خاتہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثریہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تراظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیارونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
و نظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بر بادیوں کے مشورے ہیں آسامانوں میں

ذراد کیجھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھر اکیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامز من محظوظ فطرت ہے
ہو یہ آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہور و رو کے محفل کو گلتاں کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پر دوں میں پہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفتہ کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو

کیا بیرونِ محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
گرد یکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیوں نے
تعصب چھوڑنا داں دھر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدائیوں نے
صفائے دل کو کیا آرا لش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اونا داں حتایوں نے
ز میں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندرار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نقیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبتم کو
ذرا نظر ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے شر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

نہ اٹھا جذبہ نور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مر ہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراسے نجت سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تخف آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تافک پرواز ہے میری
نشست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور رہنا
تھمے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما و قور رہنا

یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجور رہنا

نہ رہا پنوں سے بے پرواٹی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خور رہنا

شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور رہنا

محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خختہ کو بیدار قوموں نے
بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی کی

یہ ویرانہ نفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
 محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرابھی
 جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
 مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا جس میں علاج گر دش چڑخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سرپا نور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجم بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
 اجاڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر و طن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تر رشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بجاموشی ادا کردم

- طالب علم: علامہ اقبال [77]-

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجودوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

- ذوق و شوق: علامہ اقبال [78]-

قلب و نظر کی زندگی دشتم میں صبح کا سامان
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دہ وجود
دل کے لیے ہزار سو دل ایک نگاہ کا زیان!
سرخ و کبود بد لیاں چھوڑ لیا صحابہ شب!
کوہ اضم کو دے گیارہ نگ بر نگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں
آئی صدائے جریل تیر ا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنے ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنی کا رگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے بجھی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معرکہ وجود میں بدر و حسین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریا ب تو!

لکھے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکیدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائی صاحب ساز کا ہو!
فرصت کنگمش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوجود الکتاب!
گنبد آگبینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرا ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سخبو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجود بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جثجو! عشق، حضور و انتظار!
تیرہ دتار ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تھیل بے رطب!

تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بھیلے می برد، گاہ بزوری کشید
 عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب!
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہو فراق!
 موج کی جتو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-[79]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اوچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کونا ز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

-[80]- نیاشوالہ: علامہ اقبال

چ کہہ دول اے برہمن گرتوبانہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیرکھنا تو نبتوں سے سیکھا
جتنگ وجدل سکھایا واعظ کو مجھی خدا نے
تگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
مچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دوئی مٹا دیں
سوئی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آک نیاشوالہ اس دلیں میں بنادیں
دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
دامان آسمان سے اس کا ٹکس ملا دیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتروہ میٹھے میٹھے
سارے بچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-[81]- عورت: علامہ اقبال

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

-[82]- والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے نہش و قمر مجور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجور نہ مو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے

گرچہ میرے باغ میں شنبم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ماہیہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کاراز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مرا حیراں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ چیم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاپہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتواں
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سبیلہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں

پھر اتی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خلط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تریبیت سے تیری میں انجنم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دنتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا چیز و مساروتا ہے وہ
تختم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بو گئی
شرکت غم سے وہ افت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فردائیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائ ہے موت
کلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں

کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرائیز خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قالے میں غیر فریاد دراپچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبر کر دے گی انہیں باد بہار جاوداں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزائ تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے

نقش کی ناپائیداری سے عیال کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوابالائے آب
موچ مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موچ کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجمن گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پا کیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادافی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
خشم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے

زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فزاںی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسر دہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبایل زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفۃ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درداجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقہ زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوس سے تحتمت نالہ ماتم نہیں
وقت زخم تنخ فرقہ کا کوئی مرہم نہیں
سر پر آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیام دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایا
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکلیبانی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں

آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردیہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فقاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگبی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طائر کو سرمست نواکرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندگی سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہوہر شام صح
 مرقد انس کی شب کا کیوں نہ ہو انجمام صح
 دام سینہ تخلی ہے مرا آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشامعمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاؤں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی بیس لاکھوں جہاں بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا تخم عمل کے واسطے

نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقہ افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا مجھ کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوتا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوتا
 آسمان تیری لحد پر شبتم افشاںی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

-مرزا غالب:-[83]- علامہ اقبال

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تجھیل کی رسائی تاکجا
 تھاس را پاروچ تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پنهان بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تجھیل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ دار
 زندگی مضمرا ہے تیری شوخی تحریر میں
 تاب گویاں سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محوجرت ہے ثریار فعت پرواہ پر

شاہدِ مضمونِ تصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویسیر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
 لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخلیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ بین
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
 اے جہان آباد اے گھوارہ علم وہ سر
 ہیں سر اپنانہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-[84]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

-[85]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوہ بے پرداہ کو پرداہ میں چھپا دیکھ!
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ!
بیتاب نہ ہو معزکہ ہمیں ورجا دیکھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوانیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہ ایام میں آج لپنی اداد دیکھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپید ترے بحر تھیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعیرِ خودی کر اثر آہ رساد دیکھ
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
چھتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش یہیم کی جزا دیکھ!
نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
تو پیرِ صنم خانہ اسرار ازل سے
محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے

ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کیجھ!

- مارچ 1907ء: علامہ اقبال [86]-

زمانہ آیا ہے بے جوابی کا عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پر دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا
گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آب سیں گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارزار ہو گا
سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمان میں
تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھڑا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توں کا
ہزار موجودوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چمن میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس د کھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں د کھایا

یہی اگر کیفیت ہے تیر کی تو پھر کے اعتبار ہو گا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پابھ گل ہیں
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے چین کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
 شر رفتاش ہو گی آہ میری نفس مر اشعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹھانجھے مثال شرار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزر بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قرطبه: علامہ اقبال [87]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فخار
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب صرفی کائنات
 تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار

موت ہے تیر کی برات موت ہے میر کی برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر روای کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق قیچہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن اس سیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطبه عشق سے تیر اوجوہ
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

رگ ہو یا خشت و سنگ چگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو رو سرو د
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہ کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلاوة و درود لب پہ صلاوة و درود
شو ق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے بجوم نخل
تیرے درو بام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب

عہد کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل
ساتی اربابِ ذوق فارس میدانِ شوق
بادھے اس کا رجیق تبغیخ ہے اس کی اصلیٰ
مرد پاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز
اس کے دونوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مو من کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصدِ جلیل
اس کی ادال فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشمِ غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوجے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگِ جہاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہِ احمد میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیر کی فضابے اذاء
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا لمنی شورشِ اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں

حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتنی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ پچھی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغرب یوں کا جہاں
ملت رومنی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جواں
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گفتگو گرم دم جتجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا لقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین مبین
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق ولقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ میں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی

خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جمیں
 دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
 گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
 وادی کھسار میں غرق شفقت ہے سحاب
 لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
 سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پر دہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
 پر دہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ام کی حیات کشمکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-[88]- اتحادی مسافر: علامہ اقبال

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم

نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہِ دلم داغ لالہ زار تو ام
وگر کشادہ جبینم گل بھار تو ام
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیکی مجھ کو
مقامِ ہم سفروں سے ہوا س قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کاروائی مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کارا زدیاں مجھ کو

وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
 رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادمان مجھ کو
 وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گل رہے خندان
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ انجائے مسافر قبول ہو جائے

-خضر راہ: علامہ اقبال [89]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریا نرم سیر
 تھی نظر جی راں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفل شیر خوار
 موج مضطرب تھی کہیں گھر ایوں میں مست خواب
 رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر

انجم کم ضوگر فتار طسم مہتاب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیما خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر نگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویائے اسرار ازال
چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے جاب
دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا
اے تری چشم جہاں بیں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں نموش
کشیہ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موئی بھی ہے ترے سامنے ہیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
نوجواں اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرو د ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے
جواب خضر
صحر انور دی

کیوں تعجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے
یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل
اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضاۓ دشت میں بانگ رحیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح
یانمایاں بام گردوں سے جین جرنیل
وہ سکوت شام صحر امیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں میں خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز سودا وزیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندیشہ سودا وزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیانہ امر و زو فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ

جوئے شیر و نیشہ و سنگ گرال ہے زندگی
 بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
 اور آزادی میں بحر بکرال ہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنفس سے
 گرچاک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلم ہستی سے تو اہرا ہے مانند حباب
 اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنبور تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تا یہ چنگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
 تابد خشاں پھروہی لعل گرال پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آباتاول تجھ کو رمز آیا یہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری

خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موستی طسم سامری
 سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاتراشی خواجه از برہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنواۓ قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزرے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گھنٹار اعضائے مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر

شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
ساحر الموطنے تجھ کو دیا بگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مرانا داں خیالی دیو تاؤں کے لیے
سکر کی لذت میں تو لٹو اگیان قدحیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجپے ساں غال فل ترے دامن میں شب نم کب تک
نغمہ بیداری جمہور ہے سامان عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار
زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
کرک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجھی زار میں آباد ہو

دنیاۓ اسلام

کیا سنا تا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
مجھ سے کچھ بپہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثییث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
کملٹے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہو گیا مند آب ارزان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتائے راز
گفت رومی ہر بناۓ کہہ کا باداں کند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کر دست غافل در گمر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

نیل کے ساحل سے لے کر تابجاک کا شغیر
 جو کرے گا اتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
 ترک خر گاہی ہو یا عربی والا گہر
 نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
 اڑ گیاد نیا سے تو مانند خاک رہ گزر
 تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
 لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
 اے کہ نشاسی غمی را ز جلی ہشیار باش
 اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
 عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
 موچ مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آئے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آز مودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسوانی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

ابلیس

یہ عناصر کا پر انا کھیل یہ دنیاۓ دوں
ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
اس کی بربادی پر آج آمادہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر گوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سبود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سعیٰ پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملائکت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قوائی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کندھو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جھٹ ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی بھور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بنی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطان غیر کی کھتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر رول چلگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تخلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دکتاب
کیا تاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب

اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر ابلیس کو مناطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تونے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے دانائے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف

تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فرست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زانغ دشی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چراغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روز گار

چھائی آشنا ہو کرو سمعت افلک پر
 جس کونا دنی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فرد اکی بیبیت کایہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مر غزار و جو بار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزبر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-لینن:علامہ اقبال [91]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پایدہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دا زی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا ملکیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
 تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
 جب تک میں جیا خیمہ افلک کے نیچے
 کانٹے کی طرح دل میں کھلکھلتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
 جب روح کے اندر مبتلا طم ہوں خیالات

وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے مجبود
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرگی
مغرب کے خداوند درخشنده فلرات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیوال ہے یہ ظلمات
رعناوی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مغاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیٹے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے بر ق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مردوت کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطرنے کیامات
مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں بیران خرابات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
یا غازہ ہے یا ساغر و بینا کی کرامات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں

ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گاسرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

-نالک: علامہ اقبال [92]-

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
قدر پچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکارا س نے کیا جوز نندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیابی فلسفہ پر ناز تھا
شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

-تصویر درد: علامہ اقبال [93]-

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
چجن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغان میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حضرت بھری ہے داستان میری
الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا ونا نہیں رونا ہے یہ سارے گستاخ کا
وہ گل ہوں میں خراں ہر گل کی ہے گویا خراں میری
دریں حضرت سر اعمريست افسون جرس دارم
زفیض دل طبیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دھر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش ساعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو رت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپا نور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے

کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیاں مجھ کو ہوار لکھیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دنوں میں
رلاتا ہے تراظر اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیارونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی دستانوں میں

یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہوا اور تیری صد اہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
اہورو رو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنپوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم پینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفتہ کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر

مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائوں
تعصیب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنا لہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرد میں باندھ رکھی ہے صدائوں
صفائے دل کو کیا آراش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اوناداں حناتوں
ز میں کیا آسمان بھی تیری کج بنی پر روتا ہے
غصب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا توں
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خداوونے
کنوں میں تو نے یوسف کو جودیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھام قید کر دیا توں
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو ترپتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبتم کو
ذر انتظارہ ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جنم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصیب ہے شراری کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفتہ کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبتم کو

پھر اکرتے نہیں مجروح الفت فکر درمان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مر ہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے تنگ سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تنگ آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تافک پر واڑ ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور رہنا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ غل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجور رہنا
نہ رہا پنوں سے بے پرواہی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں اویگانہ خور رہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور رہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی

جس بھی کاروں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
 مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سواں ہو تو شمع انجم بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
 اجاڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تدرشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بجاموشی ادا کردم

[94]- طالب علم: علامہ اقبال

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

[95]- ذوق و شوق: علامہ اقبال

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!

حسن ازل کی ہے نمودچاک ہے پر دہ وجود
دل کے لیے ہزار سو دا ایک نگاہ کا زیان!
سرخ و کبو بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بھجی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں
آئی صدائے جبریل تیر امقام ہے بھی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے بھی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد او لیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معزکہ وجود میں بدر و حسین بھی ہے عشق!
آئیے کائنات کا معنی دیریاب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق

جلو تیان میکدہ کم طلب و تھی کدوا!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سر گزشت کھوئے ہوؤں کی جتھو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خارو خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائ صاحب ساز کا لہو!
فرصت کشمکش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر او جود الکتاب!
گنبد آبکینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجھ و سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
شوق ترا آگ کرنہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جتھو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہوتا رہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخيیل بے رطب!
تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!

گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشد
 عشق کی ابتداء عجبِ عشق کی انتہا عجب!
 عالم سوزوساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! ہجر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جور، ہی میری ٹوکاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-[96]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہِ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکرِ فلکِ رس کا ہے اثر
 رفتут میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کونا ز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے بھی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا

-[97]- نیاشوالہ: علامہ اقبال

سچ کہہ دول اے بر ہمن گر تو برا نہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک و طلن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹادیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیا شوالہ اس دیس میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اونچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
 ہر صبح اٹھ کے گائیں منڑوہ میٹھے میٹھے
 سارے پیجاريؤں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [98]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنون

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

- [99] - والدہ مر حومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پرداہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں
اخجم سیما ب پار فقار پر مجبور ہیں
ہے شکست انعام غنچے کا سبو گزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نمو گزار میں
لغزہ بلب ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
لغہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرجہ میرے باغ میں شبکم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں

جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کاراز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیر گنگی دوراں نہیں
دل مراجیروں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سنگدل شر مندہ ہے
مونج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواہ کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شونخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہ بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں، ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں، ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار

کون میر اخطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پار و تا ہے وہ
صبر سے ن آشنا چیج و مسار و تا ہے وہ
تحم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بو گئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماقم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد امیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائ ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت

موت ہے ہنگامہ آرائیلز مخاوش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قاٹے میں غیر فریاد دراپچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا پچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلتاں میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
مجھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبز کر دے گی انہیں باد بھار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزائ تو یہ سمجھوا جل پچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل پچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہیں پچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیال پچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب

موج مضرِ توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہ ہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جتیور ہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگالیاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثل شمع روشن محفل تدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعله یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
خشم گل کی آکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فرزائی کے لیے مجبور ہے

سردی مرقد سے بھی افسرده ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشنتے کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے

خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا

زخم فرقت وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوس سے تھمتانالہ ما تم نہیں

وقت زخم تین فرقت کا کوئی مر ہم نہیں
سر پہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیغم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایاں
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے

خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شنک آباد سے
آدمی تاب شکیباً سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں

آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشا نی سے ہے

سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فغال غفلت کی خاموشی نہیں
آگھی ہے یہ دلساں فراموشی نہیں
پردوہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صبح
 لالہ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طائر کو سرمست نواکرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندال سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صدم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
 مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجمام صبح
 دام سیمین تخلیل ہے مر آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کعبہ میں دعاوں سے فضامعمور ہے
 وہ فرانچ کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جوالاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
 نور فطرت خلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزان ہوترا
 نور سے معمور یہ خاکی شبتاب ہوترا
 آسمان تیری لمحہ پر شبتم انشانی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

[100]-**مرزا غالب**: علامہ اقبال

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخيّل کی رسائی تا بجا
 تھاس را پاروچ تو بزم سخن پکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تخيّل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے بیں عالم سبزہ وار
 زندگی مضر ہے تیری شوخی تحریر میں
 تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محوجرت ہے ثریارفت پرواہ پر
 شاہد مضموم لصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر

آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویسر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
اطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ میں
گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزائی پروانہ ہے
اے جہاں آباداے گھوارہ علم وہنر
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں نشم و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-نماز: علامہ اقبال [101]-

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

-روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال [102]-

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد دیکھ!

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوہ بے پرداہ کو پرداہ میں چھپا دیکھ!
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ جناد دیکھ!
بیتاب نہ ہو معرکہ بیم و رجاد دیکھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک یہ خاموشِ فضا میں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آنکیہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے جھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپیدترے بھر تختیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کراڑ آہ رساد دیکھ
خورشید جہاں تاب کی خوتیرے شر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
چھتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش چیم کی جزا دیکھ!
اللندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جس محبت کا خریدار ازل سے
تو پیرِ صنم خانہ اسرار ازل سے
محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
ہے راکبِ تقدیر جہاں تیری رضاد دیکھ!

زمانہ آیا ہے بے جا بی کا عام دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا
 گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہان مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیسیں گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
 سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
 جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
 نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
 کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
 تو پھر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منه پھٹ ہے خوار ہو گا
 دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
 کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
 تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
 جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
 سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توال کا
 ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
 چن میں لا لہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
 جو ایک تھاۓ نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 بھی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہ گل ہیں

تو غنچے کہنے لگے ہمارے چین کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروں کو
 شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹھانجھے مثال شرار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قرطبا: علامہ اقبال [104]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب میرنی کائنات
 تو ہوا اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
 موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
 تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا

ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مججزہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فتا طن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطبا عشق سے تیر او جواد
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مججزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود

قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سر و رو سرو د
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سبود
کافر ہندی ہوں میں دکیھہ مراد و شوق
دل میں صلاوة و درود لب پہ صلاوة و درود
شو ق مری لے میں ہے شو ق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخلیل
تیرے در و بام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج جلدہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساتی ارباب ذوق فارس میدان شوق

بادھے اس کا رحیق تنگ ہے اس کی اصل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی اداد فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوعے یعنی آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ انجمن میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا تافلہ سخت جاں
دیکھ چکا المني شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتنی نازک روائ

چشم فرنسیس بھی دیکھی چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زمدم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندر لیسوں کی زمیں
ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہیں
جن کے اہو کے طفیل آج بھی ہیں اندر لی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا

گند نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
 وادی کھسار میں غرق شفق ہے سحاب
 لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
 سادہ پر سوز ہے دختر دھقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پرداہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
 پرداہ اٹھادوں اگر چہرہ افکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نوازوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ا Mum کی حیات کشمکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-التجاء مسافر: علامہ اقبال [105]-

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جانب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی

میں خنجر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
دگر کشادہ جینم گل بہار توام
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکھٹ گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شراب علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
کیا خدا نے محتاجِ بغباں مجھ کو
فلک نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیکی مجھ کو
مقامِ ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغالِ مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خارو خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جیں
کیا جنہوں نے محبت کارا زدیاں مجھ کو
وہ شمع بارگہ بے خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو

نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی گلی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میرا یوسف ثانی وہ شمعِ محفلِ عشق
 ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاضِ دہر میں مانندِ گل رہے خداں
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے گلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجاء مسافر قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [106]-

شاعر

ساحلِ دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب
 شبِ سکوتِ افزایہ اسودہ دریازم سیر
 تھی نظرِ جیوال کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب
 جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفلِ شیرخوار
 موجِ مضطرب تھی کہیں گھرائیوں میں مستِ خواب
 رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
 انجمِ کمِ ضوگر فقرِ طسمِ ماہتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیا خضر

جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
 چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے حباب
 دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
 میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا
 اے تری چشم جہاں میں پروہ طوفان آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خوش
 کشیہ مسلکین و جان پاک و دیواریتیم
 علم موسیٰ بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد اودوش
 زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خوش
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا متحاں مقصود ہے
 جواب خضر
 صحر انور دی

کیوں تجھب ہے مری صحر انور دی پر تجھے

یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دل میں
اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل
ریت کے ٹیکے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگا م صح
یانمایاں بام گردوں سے جبین جبریل
وہ سکوت شام صحرائیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں توزنجیری کشت و نخل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
زندگی بر تراز سودوزیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندر یشہ سودوزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امر و زو فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر آگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و نیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب

اور آزادی میں بھر بکر اہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنسخیر سے
 گرچہ اک مٹی کے پکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
 اس زیاں خانے میں تیر امتحان ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چنگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتتاب
 تا بد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا مخلوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقہ گردن میں سازدہ بڑی
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
 سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بیان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاتراشی خواجہ از بر ہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنواب قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گفتار اعضائے مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی

اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
ساحر الموطنے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مر انداں خیالی دبوتاوں کے لیے
سکر کی لذت میں تو شوگیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انہنائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجپ ساں غال فل ترے دامن میں شبنم کب تلک
نغمہ بیداری جمہور ہے سلامان عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تلک
آفتاب تازہ پیدا بطن گیت سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تلک
باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار
زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تلک
کر کم ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دنیاۓ اسلام

کیا سنا تا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
مجھ سے کچھ پنهان نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تنشیث کے فرزند میراث خلیل
خشش بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
کلکٹرے کلکٹرے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہو گیا مند آب ارزان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داناے راز
گفت روی ہر بناۓ کہنہ کا باداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کنند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کر دست غافل در گمر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے نکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بھیا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس کنکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابجاک کا شغیر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا

ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گھر
 نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
 اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر
 تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
 لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
 اے کہ نشاسی نغمی راز جلی ہشیار باش
 اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
 عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تائیر دیکھ
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
 مونج مضر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جود دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان چیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخلف المیعاد دار

-[107]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیا یے دوں
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوب
 اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسون
 میں نے ناداروں کو سکھلایا سبقِ تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرما یہ داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتشِ سوزال کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیس کا سوز دروں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
 پختہ تر اس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدار میں وجود
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
 آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
 ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
 یہ ہماری سمیٰ پیغم کی کرامت ہے کہ آج
 صوفی و ملائکت کے بندے ہیں تمام
 طبعِ مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
 ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
 ہے طوافِ وحی کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
 کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام

کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مردم مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر ہوں چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے چلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار د کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی رگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
تو ہر دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کارومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر الیس کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہاں سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے دانائے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط لقدریں و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شر مسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراتست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز

ہر قبہ ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زانغ دشی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
کلتی سرعت سے بدلتا ہے مزانج روز گار
چھائی آشنا ہو کرو سمعت افلاک پر
جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار

فتنہ فردا کی بیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مر غزار و جو نبار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزبر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

[108]- لینن: علامہ اقبال

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینڈہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم منغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دازلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا ملیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
 تو غالی اعصار و نگار ندہ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
 جب تک میں جیاخیمہ افلاک کے نیچے
 کائنٹ کی طرح دل میں ہٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
 جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
 وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات

مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعناوی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں اہمودیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مردوت کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطرنے کیامات
مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیران خرابات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
یاغاڑہ ہے یاسا غروہ بینا کی کرامات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ

دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

-نانک: علامہ اقبال [109]-

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
آہ بدقسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکاراں نے کیا جوزندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شعح حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارشِ رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
ورد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شعح گو تم جل رہی ہے محفلِ اغیار میں
بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صدِ التوحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے

-تصویر درد: علامہ اقبال [110]-

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری

یہ دستور زبان بندی ہے کیا تیری محفل میں
یہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
چن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فقاں میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
اہمی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا ونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستان کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
دریں حسرت سر اعمیست افسون جرس دارم
زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دہر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری گبڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو رت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپا نور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی

میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیکانہ
میں اس مے خاتمہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایا سبیاں مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثریہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضاۓ راز دانوں میں
رلاتا ہے تراظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچین
تری قسمت سے رزم آرائیاں بیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے بیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے بیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہنی کی دستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہوا اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

نہ سمجھو گے تو مت جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامز ن محظوظ فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
اہوروں کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم پینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بسمی محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیں
تعصب چھوڑنا داں دہر کے آئینہ خانے میں

یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدا تو نے
صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اوناداں حتا تو نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بنی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلپا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذرانظر ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصباً ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خورشید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبم کو
پھر اکرتے نہیں مجر وحافت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذر سے نجت سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تخف آزر و رہنا
علان جزم ہے آزاد احسان رفور ہنا

شراب بے خودی سے تافلک پرواز ہے میری
نکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور ہنا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور ہنا

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور ہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں

غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساگر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجور ہنا

نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خور ہنا

شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور ہنا

محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ دیرانہ نفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا

چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سواں ہو تو شمعِ الجمن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
 اجاڑا ہے تمیز ملت و آئین نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر و طن بھی ہے
 سکوت آموز طولِ داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تر رشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں جاموشی ادا کردم

[111]- طالب علم: علامہ اقبال

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجود میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

[112]- ذوق و شوق: علامہ اقبال

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کا سماں
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
 حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دہ وجود
 دل کے لیے ہزار سو دا یک نگاہ کا زیاں!

سرخ و کبود بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کاروان
آئی صدائے جبریل تیر ا مقام ہے مبھی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و زگاہ کا مرشد او لیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معز کہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آئیے کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکھلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکیدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائ صاحب ساز کا لہو!
فرصت کنکش میں ایں دل بے قرار را
یک دشکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر او جود الکتاب!
گند آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرا ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فتر جنید و بایزید تیرے اجمال بے نقاب!
شوچ ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گز شتر روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخلی بے رطب!
تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
گاہ بجیلے می برد، گاہ بزوری کشید
عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہاء عجب!

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

[113]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہنودستان کونا ز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

[114]- نیاشوالہ: علامہ اقبال

چ کہہ دول اے بر ہمن گرتوب رانہ مانے

تیرے صنم کدوں کے بہت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیرکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی سور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقشِ دولی مٹا دیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیا شوالہ اس دل میں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
 ہر صح اٹھ کے گائیں منتروہ میٹھے میٹھے
 سارے چباریوں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [115]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی

کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

[116]- والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے نہش و قمر مجور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجور نہو گلزار میں
نغمہ ببل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجوری عیال
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روائ
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا گلزار اول آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبکم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز

میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجیروں نہیں خنده نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیغم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائندہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواہ کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پاس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کاشمور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خلطہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا

اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرنا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرنا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نآشنا چیج و مساروتا ہے وہ
ختم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ بننا ویسیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فردامیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کسی کسی دنتران مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قاٹے میں غیر فریاد دراکچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لاہے و گل ہیں تو کیا
ناہے و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبز کر دے گی انہیں باد بھار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موچ مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موچ کے دامن میں پھراں کو چھپا دیتی ہے یہ

کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنا کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے بیت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادافی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آنتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
چشم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فزاںی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسر دہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں

پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمد
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے

خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا

زخم فرقت وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تحتمنا لہ ما تم نہیں

وقت زخم تیخ فرقت کا کوئی مر ہم نہیں
سرپہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیہم دیدہ انسان سے ہوتے ہیں روایاں
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے

خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں

آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشا نی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فغال غفلت کی خاموشی نہیں

آگھی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طائر کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندگی سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہو ہر شام صح
 مرقد انسان کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
 دام سینیں تخلیل ہے مر آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاؤں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا تجم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صح کے تارے سے بھی تیر اسفر

م مثل ایوان سحر مرقد فروزان ہوتا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوتا
 آسمان تیری لحد پر شبتم افشا نی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

[117]- مرزا غالب: علامہ اقبال

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخلیل کی رسائی تا کجا
 تھا سراپا روح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری بر بلط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تخلیل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
 زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں
 تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محوجیت ہے ثیرارفت پرواہ پر
 شاہد مضموم تصدق ہے ترے انداز پر
 خنده زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویبر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے

لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ بین
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزائی پروانہ ہے
 اے جہان آباداے گھوارہ علم وہ نہر
 ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پنهان کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-نماز: علامہ اقبال [118]-

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گر اس سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

-روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال [119]-

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد دیکھ!
 مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
 اس جلوہ بے پردہ کو پردہ میں چھپا دیکھ!

ایام جدائی کے ستم دیکھ جفاڈ کیجھ!
 بیتاب نہ ہو معرکہ پیغم و رجاد کیجھ!
 ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
 یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضاۓیں
 یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
 تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
 آئینہ ایام میں آج اپنی اداد کیجھ!
 سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
 دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
 ناپید ترے بحر تختیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیر خودی کراثر آہ رساد کیجھ
 خورشید جہاں تاب کی ضوتیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش پیغم کی جزاد کیجھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
 تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
 تو پیر صنم خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کیجھ!

زمانہ آیا ہے بے جا بی کا عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
گزر گیا ب وہ دور ساتی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آب سیں گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارزار ہو گا
سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سن ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اتنے کرہ جو ساتی نے بادہ خواروں کی انجمیں میں
تو پیرے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکان نہیں ہے
کھڑا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خبتر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا تو اس کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چین میں لا لہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہ گل ہیں
تو غنچے کہنے لگے ہمارے چین کا یہ رازدار ہو گا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے

میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنہیں نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارروائی کو
 شر رفشاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود پکھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹھنڈھے مثال شر ار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قرطیبہ: علامہ اقبال [121]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ رورنگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فناں
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب صرفی کائنات
 تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
 موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
 تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
 آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر

کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطبه عشق سے تیر ا وجود
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرو د

تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مر اذوق و شوق
دل میں صلواۃ و درود لب پہ صلواۃ و درود
شو ق مری لے میں ہے شو ق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جبیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بن پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخیل
تیرے دروبام پر واڈی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذاؤں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساتھ ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصلی
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ

سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مو من کاراز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مو من کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی اداد فریب اس کی تنگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوجے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ اخجم میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلة سخت جاں
دیکھ چکا لمنی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رووال
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں

ملت روئی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زمدم گفتگو گرم دم جتو جتو
رزم ہو یا زم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقہ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی بیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گند بنیو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب

لعل بد خشائی کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
 سادہ و پر سوز ہے دختر دھقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پر دہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
 پر دہ اٹھا دوں اگر چہرہ انکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ام کی حیات کنکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست فضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش بین سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-التجاء مسافر: علامہ اقبال [122]-

فرشتے پڑھتے بیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے بیں قائم
 نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسیح و خضر سے او نچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی

بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
دگر کشادہ جیں گل بھار توام
چین کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شراب علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
کیا خدا نے محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزد بابا مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فناں مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جیں
کیا جہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو

دعا یہ کر کہ خداوند آسمان و زمین
 کرے پھر اس کی زیارت سے شاد ماح ممحو کو
 وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوا یہ عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گل رہے خندال
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ الجاجے مسافر قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [123]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اندراب
 شب سکوت افزایہوا آسودہ دریا نرم سیر
 تھی نظر جیسا کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفل شیر خوار
 موج مضطرب تھی کہیں گھرا یوں میں مست خواب
 رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
 انجم کم ضو گرفتار طسم ماہتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیما حضر
 جس کی پیری میں ہے مانند سحر نگ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جو یائے اسرار ازال

چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے جا ب
 دل میں یہ سن کر پاہنگامہ محشر ہوا
 میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا
 اے تری چشم جہاں میں پروہ طوفاں آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشیہ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
 علم موئی بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
 زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہورہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے
 جواب خضر
 صحر انور دی

کیوں تعجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے
 یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل
 اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں

گو نجت ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح
یانمایاں بام گردوں سے جین جرنیل
وہ سکوت شام صحرائیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
زندگی بر تراز سودوزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکدال ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنجیر سے

گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
 اس زیاں خانے میں تیر الامتحان ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
 تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صیفیر
 رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
 پھر سلاادیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری

خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
 سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمرال ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاترا شی خواجه آز بر ہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنوائے قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گفتار اعضاۓ مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مز دور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
 اے کہ تجھ کو لھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
 ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش

اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ بات
 نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
 خواجی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مر انداں خیالی دپوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تو لٹو آگیا نقد حیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ سماں غالترے دامن میں شبکم کب تک
 نغمہ بیداری جہور ہے سماں عیش
 قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑڈا میں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
 با غبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار
 رخم گل کے واسطے تدبیر مر ہم کب تک
 کر کے ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پنهان نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز

لے گئے تثییث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسوازمانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سر اپاناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگتاں سے پارس
وہ مے سر کش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
کلمڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز
ہو گیا مانند آب ارزان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتائے راز
گفت رومی ہر بنائے کہنہ کا باداں کند
می ند اپنی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق ترا چشمے عطا کر دست غافل در گر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابجاک کا شفر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خنوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی

اڑگیاد نیا سے تو مانند خاک رہ گزر
 تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
 لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگہ
 اے کہ نشاسی خفی راز جلی ہشیار باش
 اے گرفقار ابو بکر و علی ہشیار باش
 عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جود دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آز مودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[124]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیائے دوں
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمباوں کا خوب

اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزال کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سبود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سعی پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ تو ای سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تغیرے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شاس و خود مگر
کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر وہ چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا انطرب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے جعلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دکتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
شرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑدی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کا رومتہ الکبری کے ایوانوں میں دیکھ

آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر ابلیس کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ حرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا نقطہ تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شر مسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زانغ دشی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چراغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزان روز گار
چھاگئی آشقتہ ہو کرو سمعت افلاک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
فتنه فرد اکی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
کا نپتے ہیں کوہ سار و مرغزار و جو نبار

میرے آقا وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-لینن: علامہ اقبال [125]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پایندرہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیمہ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں ھنگتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرجگی
مغرب کے خداوند درخشنده فلزات

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعانی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہ ہے
سودا ایک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیٹے ہیں اہمودیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطرنے کیامات
مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
یاغا زہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گاسرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

[126]-نک:علامہ اقبال

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
قدر پچانی نہ اپنے گوہریک دانہ کی
آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے بھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکار اس نے کیا جوزندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شعح حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شعح گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
بتکنہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صد او توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

[127]-تصویر درد:علامہ اقبال

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری

اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ زگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فقاں میری
ٹپک اے شمع آنسوبن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاوداں میری نہ مر گ ناگہاں میری
مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلتاں کا
وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری
دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دہر میں نآشانے بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش ساعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدروت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیانہ

میں اسے خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تراظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بھیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوتانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہورہا ہے ہونے والا ہے
دھر اکیا ہے بھلا عہد کہنی کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہوا اور تیری صد اہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن محظوظ فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راؤں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم پینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پاتونے
رہا دل بستی محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیں
تعصب چھوڑنا داں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا

سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدائوں
صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اوناداں حناقوں
ز میں کیا آسمان بھی تیری کنج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلپا کر دیا تو
زبان سے گر کیا تو حید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خداوونے

کنوں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھاواہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذرانظراء ہی اے بواہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تھسب ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رغعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درمان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراسے نجی سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

دواہر دکھ کی ہے مجروح تین آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تافک پر واز ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور رہنا

تھمے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت حشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما و تور رہنا

یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجور رہنا

نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں اوپیگانہ خور رہنا

شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور رہنا

محبت ہی سے پائی ہے شفایمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے

جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا

یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ الحسن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
 احجاز ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
 سکوت آموز طولِ داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کوتہ رشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بجاموشی ادا کردم

[128]- طالب علم: علامہ اقبال

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجودوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتابِ خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

[129]- ذوق و شوق: علامہ اقبال

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کا سماں
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
 حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دہ وجود
 دل کے لیے ہزار سو دا یک نگاہ کا زیان!
 سرخ و کبوڈ لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
 کوہ اضم کو دے گیارنگ برنگ طیساں!

گردنے سے پاک ہے ہوا برگِ نخلیں دھل گئے
ریگِ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بھجی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں
آئی صدائے جربیل تیر امقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکرِ جنم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہِ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدید تصورات!
صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبرِ حسین بھی ہے عشق!
معزکہ وجود میں بدر و حین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکیدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سر گزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!

میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائ صاحب ساز کا لہو!
فرصت کنگش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوجود الکتاب!
گندب آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرا ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جتبجتو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ دتار ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخلیل بے رطب!
تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا!
عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشید
عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب!
عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو! بھر میں لذت طلب!

عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہو فراق!
 موج کی جتجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

[130]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہِ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکرِ فلک رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اوچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کوناز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے مہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا

[131]- نیاشوالہ: علامہ اقبال

سچ کہہ دوں اے برہمن گرتوب رانہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیر کھنا تو نے بتوں سے سیکھا

جگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹا دیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیا شوالہ اس دیں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
 ہر صبح اٹھ کے گائیں منتروہ میٹھے میٹھے
 سارے پباریوں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکتی بھی شانتی بھی ہلگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [132]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

[133]- والدہ مر حومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے شمس و قمر مجور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجور نمو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسبر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبکم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جاننا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیر گئی دوراں نہیں
دل مراجیراں نہیں خنده نہیں گریاں نہیں

پر تری تصویر قاصد گریہ پیغم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سنگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواہ کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان نا تو ان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرپے ہیں جس کی شونخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سنبھیڈہ گفتاری بڑھا پے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اوچ گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کریہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
ترتیبیت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا

گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہو تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سروبلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مندر
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرما
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرما
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا ٹھنڈے و مساوی تا ہے وہ
تھم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ بُرناو پیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد ایں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلو فشار ہے

قالے میں غیر فریاد درا کچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پردہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلتستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نا لہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبز کر دے گی انہیں باد بہار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیا نظم کائنات
ہے اگر ارزائ تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہیں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیال کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موح مضر طور پر کر تعمیر کرتی ہے حباب
موح کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا

توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جتنجور ہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشان انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
خشم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فرزائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسر دہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ

ہے لحد اس قوت آشفۃ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتا نالہ ماتم نہیں
وقت زخم تنخ فرقہ کا کوئی مر ہم نہیں
سر پہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیغم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں رووال
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر ٹنک آباد سے
آدمی تاب شکلیابی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردی یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فعال غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلاساںی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح

داغ شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زبان طائر کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
سینہ بلبل کے زندگی سے سرو د آزاد ہے
سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہوہر شام صح
مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
دام سیمین تخلی ہے مرا آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
یاد سے تیری دل درد آشامعمور ہے
جیسے کبھی میں دعاؤں سے فضامعمور ہے
وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جوالاں گاہ ہے
ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
ساز گار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
تگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صح کے تارے سے بھی تیر اسفر
مشل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا

آسمان تیری لحد پر شبتم انشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

[134]- مرزا غالب: علامہ اقبال

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغ تخيّل کی رسائی تاکجا
تھاسر اپارو ح تو بزم سخن پیکر ترا
زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
تیرے فردوس تخيّل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں
تاب گویاں سے جنبش ہے لب تصویر میں
نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محوجیرت ہے ثریار فعت پرواز پر
شاپد مضمون تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویکر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
اطف گویاں میں تیری ہم سری ممکن نہیں
ہو تخيّل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں

ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سر زمین
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ بیں
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
 اے جہان آباد اے گھوارہ علم و ہنر
 ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-نماز: علامہ اقبال [135]-

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

-روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال [136]-

کھول آنکھ زمین دیکھ فلک دیکھ فضاد کیکھ!
 مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
 اس جلوہ بے پردہ کو پردہ میں چھپا دیکھ!
 ایام جدائی کے ستم دیکھ جنگاد کیکھ!
 بیتاب نہ ہو معرکہ بیم و رجاد کیکھ!

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
 یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
 یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوانیں
 تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
 آئینہ ایام میں آج اپنی اداد کیجھ!
 سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
 دیکھیں گے تھے دور سے گردوں کے ستارے!
 ناپید ترے بحر تھیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیر خودی کراڑ آہ رساد کیجھ
 خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشنے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش چیم کی جزاد کیجھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازال سے
 تو جنس محبت کا خریدار ازال سے
 تو پیر صنم خانہ اسرار ازال سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازال سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضا د کیجھ!

-مارچ 1907ء: علامہ اقبال [137]-

زمانہ آیا ہے بے جا بی کا عام دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا

گزر گیا ب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیں گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکان نہیں ہے
کھڑا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خبیر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا تو اس کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چجن میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس د کھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں د کھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاپے گل ہیں
تو غنچ کہنے لگے ہمارے چجن کا یہ رازدار ہو گا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی

رہے گی کیا آب و ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارروائی کو
 شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹھانچھے مثال شر ار ہو گا
 ن پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

[138]- مسجد قربطہ: علامہ اقبال

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فنا
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب صیر فی کائنات
 تو ہوا اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
 موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
 تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
 آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
 کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
 اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا

نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کولیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مسی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق قیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطبه عشق سے تیر اوجود
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یاخشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجڑہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسووز و سرور و سروود
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود

عرشِ معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے پسہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراد و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود
شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنایا نیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے بحومِ خنیل
تیرے در و بام پر وادی ایمن کانور
تیر امنا ریلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرکلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل
ساتھ ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آش کار بندہ مومن کاراز

اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کار آفریں کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی اداد فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ انجمن میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذاء
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا المني شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال

روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گفتگو گرم دم جتنجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین مبین
تجھ سے حرم مرتبت اندر لیسوں کی زمیں
ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرداراں بیں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندر لی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت

کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پرداہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے جا ب
 پرداہ اٹھادوں اگر چہرہ افکار سے
 لانہ سکے گافرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ام کی حیات کنکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو هر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-التجاء مسافر: علامہ اقبال [139]-

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظامِ مهر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
 بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
 اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار تو ام

د گر کشادہ جینم گل بہار تو ام
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکھت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیک مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کاروائیں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دولوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فناں مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کاراز داں مجھ کو
وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعایہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو

وہ میر ایوسف ثانی وہ شمعِ محفلِ عشق
 ہوئی ہے جس کی انوت قرارِ جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاضِ دہر میں مانند گل رہے خندان
 کہ ہے عزیزِ ترازِ جاں وہ جاں جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجائے مسافرِ قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [140]-

شاعر

ساحلِ دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب
 شبِ سکوتِ افزا ہوا آسودہ دریازم سیر
 تھی نظرِ حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب
 جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفلِ شیرِ خوار
 موجِ مضطرب تھی کہیں گھر ایوں میں مستِ خواب
 رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
 انجمِ کم ضوگر فتارِ طسمِ ہاتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیا خضر
 جس کی بیری میں ہے مانندِ سحرِ نگ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جو یائے اسرارِ ازل
 چشمِ دل واہو تو ہے تقدیرِ عالم بے جاب
 دل میں یہ سن کر بپاہنگا مامہ مخشر ہوا

میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستہ رہوا
 اے تری چشمِ جہاں بیس پروہ طوفان آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خوش
 کشیٰ مسلکین و جان پاک و دیوار یتیم
 علمِ موسیٰ بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
 زندگیٰ تیری ہے بے روز و شب و فرد اودوش
 زندگیٰ کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہورہا ہے ایشیا کا خرقاء دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیر ایہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب خضر

صحر انور دی

کیوں تجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے
 یہ تگاپوئے دمادِ زندگی کی ہے دلیل
 اے رہین خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
 گوئیتی ہے جب فضائے دشت میں بانگِ رحیل
 ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام

وہ حضر بے برگ و سماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود ان خر سیما ب پاہنگام صح
یانمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیل
وہ سکوت شام صحر امیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشٹے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
زندگی بر تراز اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیانہ امر و زوف فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تنشیہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنسیخ سے
گرچہ اک مٹی کے پکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب

اس زیاں خانے میں تیرا متحاب ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تا یہ چنگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
 تابد خشائ پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صیر
 رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آباتاول تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا مخوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردان میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسی طسم سامری

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بناں آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاتراشی خواجہ از برہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گفتار اعضائے مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیان سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مز دور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہیم ام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
 ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
 اور تو اے بے خبر سمجھا اے شاخ بنا بت
 نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ

خواجی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مر انداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں توٹو اگیا نقد حیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ سماں غافل ترے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جمہور ہے سامان عیش
 قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن لگتی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑا لیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار
 زخم گل کے واسطے تدیر مر ہم کب تک
 کرمک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پنهاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے تثیث کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سر اپاناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
کلکٹرے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہو گیا مند آب ارزائ مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتا راز
گفت رومی ہر بناۓ کہہ کا باداں کند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیالمت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کر دست غافل در گمر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شغیر
جو کرے گا اتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو ماند خاک رہ گزر
تنا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار

لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
 اے کہ نشاستی خفی راز جلی ہشیار باش
 اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
 عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیغیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈلی سی اک تصویر دیکھ
 آز مودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم اسی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[141]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس
 یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیاۓ دوں
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمباوں کا خون
 اس کی بر بادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب

میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس

میں نے ناداروں کو سکھلا یا سبق تقدیر کا

میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزان کو سرد

جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیس کا سوز دروں

جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند

کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام

پختہ تراس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام

ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سبود

ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام

آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں

ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

یہ ہماری سمعی پیغم کی کرامت ہے کہ آج

صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام

طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی

ورنه قولی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا

کند ہو کر رہ گئی مومن کی تبغیث بے نیام

کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید

ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر

تو جہاں کے تازہ فتوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کار و بار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر ہوں چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تحفی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دکتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑدی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کا رومتہ الکبری کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیز رکود کھایا ہم نے پھر سیز رکا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا

گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر الیں کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
آب و گل تیری حرارت سے جہاں سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے داناۓ کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
ہر قباہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زانغ دشی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چراغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزانج روز گار
چھائی آشنا ہو کرو سمعت افلاک پر
جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
فتنه فردا کی بیت کایا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہ سار و مرغزار و جو نیبار
میرے آقا وہ جہاں زیر وزیر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

[142]- لینن: علامہ اقبال

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پایدہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تو یہ یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیاخیمہ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں ہلکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلرات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات

رعنائی تعمیر میں رونق میں صفائیں
 گر جوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
 ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
 سودا ایک کالا کھوں کے لیے مرگ مغاجات
 یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
 پیٹے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
 بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلas
 کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
 وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
 حداس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
 ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
 احساس مردود کو کچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
 مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں چیر ان خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یا غازہ ہے یا ساغر و بینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گاسرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
 قدر پیچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکارا س نے کیا جوز ندگی کاراز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
 شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
 ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

- تصویر درد: علامہ اقبال [144]-

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
 نہ موشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
 یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
 بیہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
 اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
 چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری

اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغال میری
ٹپک اے شمع آنسوبن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حضرت بھری ہے داستان میری
الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاؤ داں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گستاخ کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
دریں حضرت سر اعمريست افسون جرس دارم
رفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دھر میں نا آشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری گبڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو رت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیکانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے

وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے ترا نظرہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیارونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان برگ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلپیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بخلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
بھی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے

ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چجن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسلیق میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسائ کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم بیناد کیجھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا کیجھ لیتی ہے
کیا رفتہ کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیں
تعصب چھوڑنا داں دھر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدائیں
صفائے دل کو کیا آراکش رنگ تعلق سے

کف آئینہ پر باندھی ہے اوناں حال حناؤ نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کچ بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلپا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوزا پنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذرانظر ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جنم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تھسب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفتہ کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الفت فکر در مان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراسے نجح سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تفعی آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تانک پرواز ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بورہنا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضورہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرورہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجورہنا
نہ رہ اپنوں سے بے پرواہی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خورہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبورہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفایا رقوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ دیرانہ نفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
یہ پرواہ جو سوزاں ہو تو شمع انجمن بھی ہے
وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہرشے میں

یہ شیریں بھی ہے گویا بے سقوں بھی کوہ کن بھی ہے
 اجڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر و طن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تہ رشیتہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بجاموشی ادا کردم

[145]- طالب علم: علامہ اقبال

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجودوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

[146]- ذوق و شوق: علامہ اقبال

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کام
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
 حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پردہ وجود
 دل کے لیے ہزار سو دلیاں چھوڑ لیا سحاب شب!
 سرخ و کبوڈ بد لیاں چھوڑ لیا سحاب شب!
 کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
 گرد سے پاک ہے ہوا بر گ نخلیں دھل گئے
 ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں

آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں
آئی صدائے جریل تیر ا مقام ہے بھی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے بھی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کا رگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معرکہ وجود میں بدر و حین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریا ب تو!
لکھے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خارو خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش

ہے رگ ساز میں روائ صاحب ساز کا ہو!
فرصت کنکش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوجوں الکتاب!
گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و مایزید تیر اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا بجود بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جتو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ وتار ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخیل بے رطب!
تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
گاہ بجیلے می برد، گاہ بزوری کشد
عشق کی ابتداء جب عشق کی انتہا جب!
عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب!

گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہو فراق!
موج کی جتجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

[147]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
یہ ہندیوں کی فکر نلک رس کا ہے اثر
رفعت میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سرشت
مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کوناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے بھی
روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

[148]- نیاشوال: علامہ اقبال

چکہہ دول اے برہمن گرتوبرانہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیرکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا

واعنط کا و عنط چھوڑا چھوڑے ترے فمانے
پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک و طن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آنگیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
پچھڑوں کو پھر ملادیں نقشِ دولی مٹا دیں
سوئی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آک نیا شوالہ اس دل میں میں بنادیں
دنیا کے تیر تھوں سے اونجا ہوا پنا تیر تھ
دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
ہر صح اٹھ کے گائیں منڑوہ میٹھے میٹھے
سارے پچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شلتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [149]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

[150]- والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے نہش و قمر مجور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گزار میں
سبرہ و گل بھی ہیں مجور نمو گزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبکم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جاننا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجیروں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیغم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے

گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سنگدل شرمندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہ بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھونے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
ترتیبیت سے تیری میں انجنم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دنفر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات

تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہو تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرنا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرنا
تجھ کو مثل طفلک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے ن آشنا چیج و مساروتا ہے وہ
تھم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ افت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ بنانا و پیر
آدمی ہے کس طاسم دوش و فردامیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیسم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قافلے میں غیر فریاد درا کچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پر دہ گر دوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لاہے و گل ہیں تو کیا
ناہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سیز کردے گی انہیں باد بہار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ تدریت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مست سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیا نظام کائنات
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلک کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہیں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موح مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موح کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے بیت تعمیر پر

یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعییر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل تدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا تاروں سے بھی کیا
 Thom گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فرزائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمnd

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پر دے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مر نے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتانالہ ما تم نہیں
وقت زخم تبغیش فرقہ کا کوئی مر ہم نہیں
سرپہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیہم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایاں
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شنک آباد سے
آدمی تاب شکیباًی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردیاں آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگبی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسرداہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ

بے زبان طاڑ کو سرمست نواکرتی ہے یہ
سینہ بلبل کے زندگی سے سرو د آزاد ہے
سیکڑوں نغموں سے باد صحیح دم آباد ہے
خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
یا اگر آئیں ہستی ہے کہ ہوہر شام صحیح
مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صحیح
دام سیمین تخلیل ہے مر آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
جیسے کچھ میں دعاوں سے فضائی معمور ہے
وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جوالاں گاہ ہے
ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
ساز گار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
نگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صحیح کے تارے سے بھی تیر اسفر
مشل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوترا
آسمان تیری لحد پر شبتم افشا نی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخيّل کی رسائی تاکجا
 خاسرا پاروح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تخيّل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
 زندگی مضرر ہے تیری شوخی تحریر میں
 تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محوجرت ہے ثریار فعت پرواز پر
 شاہد مضموم قصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویمر میں تیری ہم نواخوابیدہ ہے
 لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخيّل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ میں

گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
 اے جہاں آباداے گھوارہ علم وہ نہ
 ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی خیر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

[152]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[153]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
 مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو زراد کیجھ!
 اس جلوہ بے پرده کو پرده میں چھپا دیکھ!
 ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ!
 بیتاب نہ ہو معرکہ بیم و رجاد کیجھ!
 ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
 یہ گند افلاک یہ خاموش فضا کیں

یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
 تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
 آئکنیہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!
 سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
 دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
 ناپید ترے بحر تخلیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیر خودی کراڑ آہ رساد دیکھ
 خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش پیغم کی جزاد دیکھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
 تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
 تو پیر صنم خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد دیکھ!

-مارچ 1907: علامہ اقبال [154]-

زمانہ آیا ہے بے جا بی کا عام دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا
 گزر گیا ب وہ دور ساتی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا

کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیسیں گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
سناد یا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحر ایسوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحر اسے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سن ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمیں میں
تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے نجھر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مور ناتوال کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چجن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہے گل ہیں
تو غنچے کہنے لگے ہمارے چن کا یہ رازدار ہو گا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھر تے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروں کو

شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مر اشعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹناتجھے مثال شرار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قربطہ: علامہ اقبال [155]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تارحریر دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب صرفی کائنات
 تو ہوا اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
 موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
 تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
 آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
 کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
 اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
 نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
 ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام

جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کولیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفی
عشق خدا کار رسول عشق خدا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق نقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخ
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطباً عشق سے تیراً وجود
عشق سر اپادوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مججزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرو و
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود

پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سبود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلاوة و درود لب پر صلاوة و درود
شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنایا سیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخل
تیرے دروبام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سلتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساتی ارباب ذوق فارس مید ان شوق
بادہ ہے اس کا حیق تیغ ہے اس کی اصل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دونوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم

اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی پین دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ انجم میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا لمنی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتمی نازک رووال
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روئی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جووال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندر سیوں کی زمیں
ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ میں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندر لی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جیں
ویکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کھسار میں غرق شفتق ہے سحاب
اعلی بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
کشتمی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی

دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پرداہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے جاب
 پرداہ اٹھادوں اگر چہرہ افکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح امم کی حیات کنکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-التجاء مسافر: علامہ اقبال [156]-

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
 بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
 اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار تو ام
 دگر کشادہ جبینم گل بہار تو ام
 چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل

ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شراب علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیکی مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغال مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خارو خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کاراز داں مجھ کو
وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعایہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو

جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاضِ دہر میں مانندِ گل رہے خندال
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جانِ مجھ کو
 شُکْفَةٌ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ الْجَاءَ مسافر قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [157]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا مجنون نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب
 شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریازم سیر
 تھی نظرِ جیوال کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفل شیرِ خوار
 موچِ مضطرب تھی کہیں گھر ایسوں میں مستِ خواب
 رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
 انجمِ کم ضوگر فتارِ طسمِ ماہتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیما خضر
 جس کی پیری میں ہے مانندِ سحرِ نگ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرارِ ازل
 چشمِ دل وا ہو تو ہے تقدیرِ عالم بے جاب
 دل میں یہ سن کر پیاہنگامہِ محشر ہوا
 میں شہید جستجو تھا یوں سخنِ گستر ہوا
 اے تری چشمِ جہاں بیں پروہ طوفاں آشکار

جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خوش
 کشیہ مسکین و جان پاک و دیواریتیم
 علم موسمی بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد اودوش
 زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجواں اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے
 جواب خضر
 صحر انور دی

کیوں تجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے
 یہ تگاپوئے دادم زندگی کی ہے دلیل
 اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
 گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحل
 ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
 وہ حضر بے برگ و سماں وہ سفر بے سنگ و میل
 وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح

یانمایاں بام گردوں سے جین جبرئیل
وہ سکوت شام صحرائیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں توزنجیری کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردوں پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوام زندگی
زندگی بر ترازِ اندیشہ سودا زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امر و زوفِ فرد اسے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تفسیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیر امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو

پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مر نے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پنہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چنگاری فروغ جادوال پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
 تا بد خشائی پھروہی لعل گرال پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے راز دال پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو مر آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا ملکوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمرال کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موئی طاسم سامری
 سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمرال ہے اک وہی باقی بتان آذری

از غلامی فطرت آزاد را رسوا مکن
 تاتراشی خواجه از بر هم کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گھنڑا عضائے مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں نفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مز دور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
 ساحر الموطنے تجھ کو دیا برگ حشیش
 اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ بنا بت
 نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
 خواجی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مر انداں نیالی دیو تاؤں کے لیے

سکر کی لذت میں توٹا گیا نند حیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
 انہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ سماں غافل ترے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جہور ہے سماں عیش
 قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن لگتی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑا لیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بھار
 رخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
 کرک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے مثنیت کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
 ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
 جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز

لے رہا ہے مے فروشان فرگنستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہو گیا مند آب ارزان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتا نے راز
گفت روی ہر بنائے کہنہ کا باداں کند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کر دست غافل در گر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے غنست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس کنتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شغیر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو ماند خاک رہ گزر
تنا خلافت کی بنادنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلام کا قلب و جگر
اے کہ نشاسی خفی راز جلی ہشیار باش

اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
 عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جود دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آئکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آزمودہ قتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یختلف المیعاد دار

-[158]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیا نے دون
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
 اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزال کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیں کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سرنگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سمعی پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنه قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تنخ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جھٹ ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی بجہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود غُر
کار و بار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر رون چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے جعلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار د کتاب
کیا تاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کا رومتہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بھر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
 جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
 پانچواں مشیر ابلیس کو مخاطب کر کے
 اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
 تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
 آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
 ابلہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
 تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
 سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پرورد گار
 کام تھا جن کا فقط تقدیم و تسبیح و طواف
 تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
 گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشتی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزان روز گار
 چھائی آشقة ہو کرو سعut افلاک پر
 جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فرد اکی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مر غزار و جوہ بیبار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزیر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینڈہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیاخیمہ افلاک کے نیچے¹
کائنے کی طرح دل میں گھنکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند درخشنده فلکرات
یورپ میں بہت روشنی علم و هنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تغیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بکلوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہ
 سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
 یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
 پیتے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
 بے کاری و عریانی و مے خواری و افلas
 کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی نتوحات
 وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
 حداس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
 ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
 احساس مردوت کو کچل دیتے ہیں آلات
 آنفار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
 مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یاغا زہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مكافات

-[160]- نانک: علامہ اقبال

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پرواہ کی
 قدر پچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی

آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکاراں نے کیا جوز ندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شعحق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

[161]- تصویر درد: علامہ اقبال

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں توبات کرنے کو ترسنی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

ٹپک اے شمع آنسوبن کے پردازے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
اہلی پھر مڑھ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاؤ داں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گستاخ کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دہر میں نا آشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو روت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپا نور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیال مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں

کہ بامِ عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے رازِ دانوں میں
رلاتا ہے ترانظرہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلک ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑاں باغ میں گلپیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بھلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وغلیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بر بادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چبن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دنوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پر دوں میں پہاں چشم بیناد کیجھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا د کیجھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پتی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کر تارہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائوں نے
تعصب چھوڑنا داں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدائوں نے
صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اونا داں حناتوں نے
ز میں کیا آسمان بھی تیری کچ بینی پر روتا ہے

غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندرار کو اپنا خدا تو نے
کنوں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے خجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوزا پنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبتم کو
ذرانظر ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تھسب ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبتم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الفت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے نیچے سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تنخ آرزور ہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور ہنا

شراب بے خودی سے تائفک پرواہ ہے میری
شست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور ہنا

تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور ہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور ہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں ٹگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آجور ہنا
نہ رہ اپنوں سے بے پرواہی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں اوپر گانہ خور ہنا
ثراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور ہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفایار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خختہ کو بیدار قوموں نے
بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ دیرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہران بھی ہے
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
جلانادل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
یہ پرواہ جو سواں ہو تو شمع انجمن بھی ہے
وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
اجڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو

مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکرو طن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تر رشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بجموشی ادا کردم

[162]- طالب علم: علامہ اقبال

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجود میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

[163]- ذوق و شوق: علامہ اقبال

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کامیاب
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
 حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پرده وجود
 دل کے لیے ہزار سو دا یک نگاہ کازیاں!
 سرخ و کبو بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
 کوہ اضم کو دے گیارنگ برنگ طیساں!
 گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیں دھل گئے
 ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
 آگ بھجی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
 کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں

آئی صدائے جبریل تیر امقام ہے بھی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے بھی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے بھی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معزکہ وجود میں بدر و حین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریاب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکیدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جتو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روای صاحب ساز کا ہو!
فرصت کنکش میں ایں دل بے قرار را

یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدارا
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوجو دلکشا!
گندب آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سخرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تختیل بے رطب!
تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
گاہ بجیلہ می برد، گاہ بزوری کشید
عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہاء عجب!
عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو! بھر میں لذت طلب!
عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جور ہی میری نگاہ بے ادب!
گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
موح کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

[164]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جام ہند
سب فلسفی ہیں خطہِ مغرب کے رام ہند
یہ ہندیوں کی فکرِ فلک رس کا ہے اثر
رفعت میں آسمان سے بھی اوچا ہے بام ہند
اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
ہے رام کے وجود پہندوستان کوناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا

[165]- نیاشوالہ: علامہ اقبال

تھے کہہ دول اے برہمن گرتوبرانہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے

خاک و طن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
پھڑوں کو پھر ملادیں نقشِ دولی مٹا دیں
سوئی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آک نیا شوالہ اس دل میں میں بنادیں
دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
ہر صح اٹھ کے گائیں منزوہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [166]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

-والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال [167]-

ذرہ ذرہ دھر کا زندگی تقدیر ہے
پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے نہش و قمر مجور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجور نہ مو گلزار میں
نغمہ ببل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسی ر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روائ
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کاراز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجیروں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ چیم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائندہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سنگدل شر مندہ ہے

موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
جیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پابہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتواں
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شو خی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سبیحہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعاۓ نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
ترتیبیت سے تیری میں انجنم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپادین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی

میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جوال قامت میں ہے جو صورت سر و بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرہ
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرہ
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے ن آشنا صبح و مساروتا ہے وہ
ختم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برنا و پیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد ایں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائی ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلو فشار ہے
قافلے میں غیر فریاد دراپکھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا پکھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی

سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبز کردے گی انہیں باد بہار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا نجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیا نظام کائنات
ہے اگر ارزائ تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے چینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو

خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سرہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سرگزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
ختم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فزاںی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسر دہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشنتے کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

خوگر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لادوا
زخم فرقت وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوس سے تھمتانالہ ماتم نہیں
وقت زخم تبغ فرقت کا کوئی مر ہم نہیں
سرپہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیام دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایاں
ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکیباں سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردیہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پر دہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طاڑ کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندال سے سرو د آزاد ہے

سیکڑوں نغموں سے باد صحیح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہو ہر شام صح
 مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
 دام سینین تخلی ہے مرا آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشامعمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاؤں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہاں بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا چشم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوتا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوتا
 آسمان تیری لمحہ پر شبم انشانی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغ تخلیل کی رسائی تا کجا
تحا سرا پاروچ تو بزم سخن پیکر ترا
زیب محفل بھی رہا محفل سے پنهان بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نعموں سے سکوت کوہ سار
تیرے فردوس تخلیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ دار
زندگی مضمر ہے تیری شوخي تحریر میں
تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محوجرت ہے ثریار فعت پرواز پر
شاہد مضموم قصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویبر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
اطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
ہو تخلیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نہیں
ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ بین
گیسوئے اردو ابھی منت پزیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے

اے جہان آباد اے گھوارہ علم وہ مر
 ہیں سر اپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

[169]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[170]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
 مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
 اس جلوہ بے پرده کو پرده میں چھپا دیکھ!
 ایام جدائی کے ستم دیکھ جناد کیجھ!
 بیتاب نہ ہو معرکہ یہم و رجاء دیکھ!
 ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
 یہ گنبد افلاؤک یہ خاموش فضا ائیں
 یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
 تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

آئینہ ایام میں آج اپنی ادا کیجھ!
 سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
 دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
 ناپید ترے بحرِ تخلیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیرِ خودی کر اثر آہ رساد کیجھ!
 خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوسِ نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش چیم کی جزا د کیجھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
 تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
 تو پیرِ صنمِ خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
 ہے راکبِ تقدیر جہاں تیری رضاد کیجھ!

-[171]- مارچ 1907: علامہ اقبال

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عامد دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہدار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا
 گزر گیا اب وہ دور ساتی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آب سیں گے
 برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا

سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر

جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا

نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

سن ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

کیا مر اندکرہ جو ساقی نے باوہ خواروں کی انجمن میں

تو پیرے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منه پھٹ ہے خوار ہو گا

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

کھڑا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے خبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توں کا

ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا

چمن میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو

یہ جانتا ہے کہ اس د کھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا

جو ایک تھاۓ نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں د کھایا

بہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کے اعتبار ہو گا

کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہ گل ہیں

تو غچھ کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ رازدار ہو گا

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے

میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی

رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروں کو

شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا

نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا

تو اک نفس میں جہاں سے ٹناتجھے مثال شرار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کاٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قرطہب: علامہ اقبال [172]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فخار
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب صیر فی کائنات
 تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
 موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
 تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
 آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
 کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
 اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
 نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
 ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
 جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
 مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع

عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن اسپیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطبه عشق سے تیر اوجود
عشق سر اپادوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سروود
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود

کافر ہندی ہوں میں دیکھ مر اذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود لب پے صلوٰۃ و درود
شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جبیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنیا پسید ار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے بجوم نخل
تیرے درو بام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحلیل
ساتی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تنخ ہے اس کی اصلی
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سر و اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کارکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دل میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ احمد میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلة سخت جاں
دیکھ چکا المني شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربوں کا جہاں
ملت روئی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جو اں
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبال
زرم دم گفتگو گرم دم جتجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

نقطہ پر کارحت مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقہ آفاق میں گرمیِ محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندرسیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرداراہ بیں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندری
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جنیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
اعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
سادہ و پر سوز ہے دختر دھقاں کا گیت
کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالم نو ہے ابھی پر دہ تقدیر میں

میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
 پر دہ اٹھادوں اگر چیڑہ افکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ام کی حیات کنگش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست تھامیں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-التجاء مسافر: علامہ اقبال [173]-

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسیح و خضر سے او نچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی
 بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
 اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار تو ام
 دگر کشاوہ جبینم گل بہار تو ام
 چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
 ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
 چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے

شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
کیا خدا نے محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزد بال مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغال مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خارو خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جیں
کیا جنہوں نے محبت کاراز داں مجھ کو
وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعایہ کر کہ خداوند آسمان وزیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
جلائے جس کی محبت نے دفتر من و تو
ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو

ریاضِ دہر میں مانندِ گل رہے خندان
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ الچائے مسافر قبول ہو جائے

[174]- خضر راہ: علامہ اقبال

شاعر

ساحل دریاپ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریا نرم سیر
 تھی نظر جیسا کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
 موج مضطرب تھی کہیں گھر ایسوں میں مست خواب
 رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
 انجم کم ضو گرفتار طسم مہتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیما خضر
 جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
 چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے حباب
 دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
 میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستہر ہوا
 اے تری چشم جہاں بیں پروہ طوفاں آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشیہ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم

علم موسیٰ بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
 زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خوش
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجواں اقوام نو دولت کے ہیں پیر ایہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب حضر

صحر انور دی

کیوں تعجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے
 یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل
 اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
 گو نجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رہیں
 ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کابے پروا خرام
 وہ حضر بے برگ و سماں وہ سفر بے سنگ و میل
 وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح
 یانمایاں بام گردوں سے جبین جبر نیل
 وہ سکوت شام صحر امیں غروب آفتاب

جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
زندگی بر تراز سودوزیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندریشہ سودوزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیکانہ امر و زو فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنجیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلڈم ہستی سے تو بھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیر امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زناہ تو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مر نے کی تڑپ

پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چنگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
 تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبناوں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
 پھر سلاadioتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسلی طسم سامری
 سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاتراشی خواجه از برہمن کافر تری

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزرے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گفتار اعضاۓ مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غربیوں کو زکوٰۃ
 ساحر الموطنے تجھ کو دیا برگ حشیش
 اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ بنا ت
 نسل قومیت کیسا سلطنت تہذیب رنگ
 خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مر انداں خیالی دیو تاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تو لٹو اگیا نقد حیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار

انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جہور ہے سامان عیش
 قصہ خواب آور اسکندر و حجم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑا لیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرمائے یہ کہتی ہے بہار
 رخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
 کرک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجھی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے تثییث کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
 ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
 جو سر اپانا ز تھے ہیں آج مجبور نیاز
 لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
 وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
کلموے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دینا ہے گاز
ہو گیا مند آب ارزان مسلمان کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتا رے راز
گفت روی ہر بناۓ کہنہ کا باداں کند
می نداںی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں
حق ترا چشے عطا کر دست غافل در گمر
مومنی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
الشیوا لے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تاجاک کا شغیر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خنوں مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو ماند خاک رہ گزر
تناخلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاسی خفی راز جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی

اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
 مونج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آز مودہ قتنے ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدير کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[175]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس
 یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیاۓ دوں
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمباوں کا خوب
 اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
 میں نے ناداروں کو سکھلایا سبقِ تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیں کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر گلوں

پہلا مشیر

اس میں کیا بیک ہے کہ محکم ہے یہ ابیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدار میں سبود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سعیٰ پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ تو ای سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جھٹ ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی بجمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بنی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھتی پہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر رون چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تخلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر ولیکن در بغل دار د کتاب
کیا تاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر وہ سور
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کارومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

پانچواں مشیر الپیس کو مخاطب کر کے
 اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
 تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
 آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
 ابلہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
 تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ حرم نہیں
 سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
 تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
 گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قبہ نے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشمنی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چراغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار
 چھاگئی آشفۃ ہو کرو سمعت افلاک پر
 جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فردا کی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مرغ، ارو جو بیمار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزیر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-لینن: علامہ اقبال [176]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات

حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائیدہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا ملکیسا کے خرافات
ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو غالق اعصار و نگار ندہ آنات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیاخیمہ افلک کے نیچے
کائنے کی طرح دل میں کھلکھلتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ جیوال ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات

یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
 پیتے ہیں اہودے یتے ہیں تعلیم مساوات
 بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
 کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
 وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
 حداس کے کمالات کی ہے بر ق و بخارات
 ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
 احساس مردوت کو کچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
 مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں بیران خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مكافات

-[177]- نانک: علامہ اقبال

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پرواہ کی
 قدر پیچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر

آشکار اس نے کیا جوزندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شمع گوتم جل رہی ہے محفل اغیار میں
بتکنہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

- تصویر درد: علامہ اقبال [178]-

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
چین میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قریبوں نے طویلوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغال میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری

اللہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گستاخ کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گوپا خداں میری
دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
ز فیض دل طبیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دھر میں ن آشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش ساعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو رت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ ساماں کا

مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دنوں میں
رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و نامجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گوا
لکھا کلک ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچین
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پروناءِ ایک ہی شبیق میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ جیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پنہاں چشم پیناد کیجھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا د کیجھ لیتی ہے
کیا رفتہ کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیں
تعصب چھوڑنا داں دھر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے براتو نے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گردہ میں باندھ رکھی ہے صد اتو نے
صفائے دل کو کیا آراش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اونا داں حنا تو نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کچ بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل

بنایا ہے بت پندرہ کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھاواہ حسن عالم سوزا پنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبتم کو
ذرانظر ہی اے بواہوں مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصباً ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبتم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درمان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراسے نج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح قیخ آرزور ہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور ہنا

شراب بے خودی سے تافک پرواز ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور ہنا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور ہنا

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور ہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما و تور ہنا
یہ استغنا ہے پانی میں ٹکوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آجور ہنا
نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں اویگانہ خور ہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور ہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفایا ہار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ دیرانہ نفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع انجمن بھی ہے
وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
اجڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ

زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
نمیگر دید کوتہ رشیہ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بجاموشی ادا کردم

[179]- طالب علم: علامہ اقبال

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

[180]- ذوق و شوق: علامہ اقبال

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دُد و وجود
دل کے لیے ہزار سو دل ایک نگاہ کا زیارتیں!
سرخ و کبو بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیں دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بمحی ہوئی ادھر، ٹوئی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کاروائیں
آئی صدائے جہر یکل تیر ا مقام ہے بھی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے بھی

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فقر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخلیقات
قافلہ جاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معزکہ وجود میں بدر و حین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریاب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکیدہ کم طلب و تھی کدوا!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خارو خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روای صاحب ساز کا لہو!
فرصت کنکشن میں ایں دل بے قرار را
یک دوشکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر او جود الکتاب!

گنبد آنکیہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
 عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
 ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
 شوکت سنجھ و سلیم تیرے جلال کی نمود!
 فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
 شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا مام
 میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
 تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقل، غیاب و جتبو! عشق، حضور و اضطراب!
 تیرہوتا رہے جہاں گردش آفتاب سے!
 طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخيّل بے رطب!
 تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشد
 عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب!
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جور ہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جتبو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہِ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندوؤں کی فکرِ فلکِ رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہندوستان کوناڑ
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے بھی
 روشن ترازِ سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا

[182]- نیا شوالہ: علامہ اقبال

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برانہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیر کھانا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 شگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹا دیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیا شوالہ اس دیں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھے
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
 ہر صح اٹھ کے گائیں منڑوہ میٹھے میٹھے
 سارے پجاريؤں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکتی بھی شانتی بھی جگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [183]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

-والدہ مر حومہ کی یاد میں: علامہ اقبال [184]-

ذرہ ذرہ دہر کا زندائی تقدیر ہے

پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے نہش و قمر مجور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجور ہیں
ہے شکست انجام غنچہ کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجور نہو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
لغہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جاننا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجیراں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پایندہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا

جیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواہ کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتواں
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شونخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہ بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
ترتیبیت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند

تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرنا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرنا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا صبح و مساروتا ہے وہ
تحم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد ایں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیک ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلو افسار ہے
قالے میں غیر فریاد درا کچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا

مجھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں
سبز کر دے گی انہیں باد بھار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجمام خاکستر نہیں
لُٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزائ تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیال کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھراں کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجھت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجمم گردوں فروز

شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سر بہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثل شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
خشم گل کی آکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فرزائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیر ازہ بند
ڈاتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمد
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پر دے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں

کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقہ زنجیر صح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوس سے تھمتانالہ ماتم نہیں
وقت زخم تنخ فرقہ کا کوئی مرہم نہیں
سرپہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایا
ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکلیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہو تا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہو تا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشا نی سے ہے
سردیاں آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فعال غفلت کی خاموشی نہیں
آگھی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پر دہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبال طاڑ کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندال سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار

ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئین ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
 مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو ان جام صبح
 دام سیمین تخلیل ہے مرا آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبھے میں دعاوں سے فضامعمور ہے
 وہ فرانپ کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی بیس لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جوالاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
 نور فطرت خلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوترا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوترا
 آسمان تیری لحد پر شبنم افشاںی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

-مرزا غالب: علامہ اقبال [185]-

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا

ہے پر مرغ تخييل کی رسائی تاکجا
تحاسراپاروح تو بزم سخن پکر ترا
زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
محفل ہستی تری بر بلط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
تیرے فردوس تخييل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں
تاب گویائی سے جبش ہے لب تصویر میں
نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محوجرت ہے ثریارفت پرواز پر
شاہد مضمون تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن دیبر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
اطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
ہو تخييل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشین
ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکلتے ہیں
گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
اے جہان آباد اے گھوارہ علم و هنر
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در

ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پناہ کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

[186]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[187]- روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
 مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
 اس جلوہ بے پرده کو پرده میں چھپا دیکھ!
 ایامِ جدائی کے ستم دیکھ جفاد کیجھ!
 بیتاب نہ ہو معرکہ بیم و رجاد کیجھ!
 ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
 یہ گنبد افلک یہ خاموش فضائیں
 یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہواں
 تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
 آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!
 سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!

دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
 ناپید ترے بحرِ تخلیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلکِ تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیرِ خودی کراڑ آہ رساد کیچھ
 خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوسِ نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خونِ جگر میں
 اے پیکرِ گل کوششِ پیغم کی جزا دیکھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
 تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
 تو پیرِ صنمِ خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
 ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیری رضاد کیچھ!

-مارچ 1907: علامہ اقبال [188]-

زمانہ آیا ہے بے حاجبی کا عام دیدار یار ہو گا
 سکوتِ تھا پر وہ دارِ جس کا وہ رازِ اب آشکار ہو گا
 گزر گیا ب وہ دورِ ساتی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیسیں گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
 سنادیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
 جو عهدِ صحر ایسوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا

نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمان میں
تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منه بچٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توں کا
ہزار موجودوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چون میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہ گل ہیں
تو غنچ کہنے لگے ہمارے چون کا یہ رازدار ہو گا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروں کو
شر رفشاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
تو اک نفس میں جہاں سے ٹناتجھے مثال شرار ہو گا
نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی

کہیں سرراہ گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قربہ: علامہ اقبال [189]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلہ روز و شب تاریخ دورنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب سیرنی کائنات
تو ہوا اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے گر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو

عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے قام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبر سیل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطباً عشق سے تیر وجود
عشق سر اپادوام جس میں نہیں رفت و بود
رگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرو د
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے پسہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلاوة درود لب پر صلاوة درود

شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے

نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے

تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل

وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

تیری بنیا پسیدار تیرے ستوں بے شمار

شام کے صحرائیں ہو جیسے بجومِ نخلیل

تیرے دروبام پر وادی ایمن کانور

تیر امنار بلند جلوہ گہ جبر نیل

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے

اس کی اذانوں سے فاش سرکلیم و خلیل

اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شعور

اس کے سمندر کی موج جلد و دنیوب و نیل

اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب

عہد کہن کو دیا اس نے یام رحیل

ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق

بادہ ہے اس کا رحیق تبغ ہے اس کی اصل

مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ

سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ

تجھ سے ہوا آشکار بندہ مو من کاراز

اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز

اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم

اس کا سرو راں کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مو من کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات

ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادادل فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ انجام میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا المني شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گفتگو گرم دم جتنجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا لیقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلس و محاز

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمیِ محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندر لسیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق ویقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے اہو کے طفیل آج بھی ہیں اندر لسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
آب روان کیسر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالم نو ہے ابھی پرداہ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پرداہ اٹھا دوں اگر چجزہ افکار سے

لانہ سکے گا فرنگ میری نواں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ام کی حیات کشمکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

[190]- التجائے مسافر: علامہ اقبال

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جانب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسیح و خضر سے اوچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی
 بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
 اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار تو ام
 دگر کشادہ جیں گل بہار تو ام
 چین کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکھت گل
 ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
 چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
 شراب علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
 نظر ہے ابر کرم پر درخت صحر اہوں

کیا خدا نے نہ محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نر دبائی مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سچھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فناں مجھ کو
بنایا تھا جسے چین چن کے خارو خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کارا زد ایں مجھ کو
وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی گلی
بنایا جس کی مردوت نے نکتہ داں مجھ کو
دعایہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
جلائے جس کی محبت نے دفتر من و تو
ہوائے عیش میں پالا کیا جو ایں مجھ کو
ریاض دہر میں مانند گل رہے خندان
کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [191]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریا زم سیر
تھی نظر جی راں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے گوارے میں سوجاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطرب تھی کہیں گھر ایوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضو گرفتار طسم باہتا ب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیا خضر
جس کی بیرونی میں ہے مانند سحر رنگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
چشم دل واہ تو ہے تقدیر عالم بے حباب
دل میں یہ سن کر بپاہنگا مہم محشر ہوا
میں شہید جتنجہ تھا یوں سخن گستر ہوا
اے تری چشم جہاں میں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
کشیہ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موئی بھی ہے ترے سامنے جیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور

زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش
 زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب حضر

صحرا نوری

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوری پر تجھے
 یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل
 اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
 گو نجت ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحل
 ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کابے پروا خرام
 وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
 وہ نمود انترسیماب پاہنگام صح
 یانمایاں بام گردوں سے جبین جبریل
 وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
 جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
 اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں

اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زخیری کشت و نخل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
زندگی بر تراز سودوزیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندریشہ سودوزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امر و زو فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تنشیہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنسیخ سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زناہار تو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار

اور خاکتر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چنگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثل آفتاپ
 تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو مر آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
 سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاتراشی خواجہ از بر همن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیو استبداد جمہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گفتار اعضائے مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں نفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مز دور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے سیپیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
 ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
 اور تو اے بے خبر سمجھا اے شاخ بنا بت
 نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
 خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مر انداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تو لٹو اگیا نقد حیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے

مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جمہور ہے سامان عیش
 قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن گلتی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑا لیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار
 زخم گل کے واسطے تدیر مرہم کب تک
 کرمک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پنهان نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے مثنیت کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
 ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
 جو سر اپاناڑتھے ہیں آج مجبور نیاز
 لے رہا ہے مے فروشنان فرنگستان سے پارس
 وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
 حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز

ہو گیا مند آب ارزان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتا نے راز
گفت روئی ہر بنائے کہنہ کا باداں کند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کر دست غافل در گمر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بینا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شغیر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو ماند خاک رہ گزر
تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاسی خفی را ز جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج

مونج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سماں وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیغیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈلی سی اک تصویر دیکھ
 آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گروں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زمان پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[192]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس
 یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیاۓ دون
 سا کنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوب
 اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسون
 میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزال کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہوا ابلیس کا سوز دروں

جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدار میں بجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سمعی پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملائکت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنه قولی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرा مشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملائکت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پر ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر چل گیز سے تاریک تر

تیرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تحلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دل تاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

پوچھا مشیر

توڑ اس کارومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر ابلیس کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار

تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
 آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
 الہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
 تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محرم نہیں
 سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا فقط لقدیں و تسبیح و طواف
 تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
 گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قبائونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزانج روز گار
 چھاگئی آشفۃ ہو کرو سمعت افلک پر
 جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فردا کی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مر غزار و جو نیبار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزبر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

[193]- لینن: علامہ اقبال

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائیدہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے

ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
بینائے کو اکب ہو کہ دانائے بنا تات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا ملیسا کے خرافات
ہم بند شب و روز میں جھٹرے ہوئے بندے
تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنے سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیمہ افلاک کے نیچے
کائنات کی طرح دل میں ہکلتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متنالاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشندہ فلرات
یورپ میں بہت روشنی علم و هنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ جیواں ہے یہ ظلمات
رعانی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے پیں بُکلوں کی مبارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا ایک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلas
 کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
 وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
 حداس کے کمالات کی ہے بر ق و بخارات
 ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
 احساس مردود کو کچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
 مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں چیر ان خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یا غازہ ہے یا ساغرو مینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مكافات

-[194]- نانک: علامہ اقبال

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
 قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جو زندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا

شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 برہمن سرشار ہے اب تک مٹے پندار میں
 شمع گوم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر اٹھی آخر صد التوحید کی پنجاب سے
 ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

[195]- تصویر درد: علامہ اقبال

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
 خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
 یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
 یہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
 اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
 چین میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
 اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
 چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فخار میری
 ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
 سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
 الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
 حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری

مرا ونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستان کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
رفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دھر میں نا آشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روتو ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری گبڑی ہوئی تقدیر کو روتو ہے گویا
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو رت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تراظر اے ہندوستان مجھ کو

کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیارونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلپیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بھلیاں رکھی ہیں گروں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذراد کیھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی دستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہوا اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری دستان تک بھی نہ ہو گی دستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا

پر دن ایک ہی تسلیم میں ان بھرے دنوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسمان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پر دوں میں پہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفتہ کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیونے
تعصباً چھوڑنا داں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدائوں نے
صفائے دل کو کیا آراش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اونا داں حناتو نے
ز میں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضباً ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندرار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا

ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھاواہ حسن عالم سوزا پنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبنم کو
ذرانظرارہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جنم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثراں کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلا تا ہے آدم کو
نا اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الفت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے نج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تغ آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تافلک پرواز ہے میری
قیاست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بورہنا
تجھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساگر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجور رہنا
نہ رہاپنوں سے بے پرواہی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں اوپیگانہ خور رہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور رہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفایبار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خختہ کوبیدار قوموں نے
بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ دیرانہ نفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارروال بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
یہ پرواہ جو سواں ہو تو شمع الحجن بھی ہے
وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
اجڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
زمیں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
نمیگر دید کوتہ رشته معنی رہا کردم

حکایت بود بے پیاس بخاموشی ادا کردم

[196]- طالب علم: علامہ اقبال

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

[197]- ذوق و شوق: علامہ اقبال

قلب و نظر کی زندگی دشتم میں صبح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دہ وجود
دل کے لیے ہزار سو دا یک نگاہ کا زیاریا!
سرخ و کبود بد لیاں چھوڑ گیا حباب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ برنگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیں دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں
آئی صدائے جبریل تیر ا مقام ہے مہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنے ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!

کیا نہیں اور غزنوی کارگ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معمر کہ وجود میں بدر و حین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکیدہ کم طلب و تہی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
بادصباکی موج سے نشوونمائے خارو خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روای صاحب ساز کا لہو!
فرصت کنکش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوجو الکتاب!
گندب آگبینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
 شوکت سخنرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
 فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
 شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
 تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقل، غیاب و جتبو! عشق، حضور و اضطراب!
 تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
 طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخلی بے رطب!
 تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشہر
 عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب!
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جور ہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جتبو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-رام: علامہ اقبال [198]-

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند

سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفعت میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہنودستان کونا ز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا وضنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

-نیاشوالہ: علامہ اقبال [199]-

سچ کہہ دول اے بر ہمن گر تو بر انہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیر کھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹا دیں

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیا شوالہ اس دل میں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملا دیں
 ہر صح اٹھ کے گائیں منترو وہ میٹھے میٹھے
 سارے پچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکنی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [200]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

-والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال [201]-

ذرہ ذرہ دھر کا زندانی تقدیر ہے
 پردہ مجرمی و بے چارگی تدبیر ہے
 آسمان مجرم ہے نہش و قمر مجرم ہیں

انجم سیما ب پار فتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نمو گلزار میں
نغمہ ببل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیال
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روائ
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبتم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کاراز
ہے نوائے شکوه سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجیراں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
جیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا

رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتواں
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خلطہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعاۓ نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپادین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جو اس قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا

وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مر
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نآشنا صحیح و مساروتا ہے وہ
تختم جس کا تو ہماری کشت جاں میں ہو گئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو چیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد ایں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائی ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قاٹے میں غیر فریاد درا کچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پُل نہ پر دُر گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلتستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سوز کر دے گی انہیں باد بھار جاؤ داں

خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انعام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنۃ نظارہ ہے نقش ہوابالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنا کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہ ہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجمن گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سور
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے

سرگزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آس سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثل شعر و شن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
ختم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فزاںی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا تباۓ زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جوابی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پر دے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درداجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا

دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتا نالہ ما تم نہیں
وقت زخم تغ فرقہ کا کوئی مرہم نہیں
سرپہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیہم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں رووال
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکیباں سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردیہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فقاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طاڑ کو سرمست نواکرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندان سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہوہر شام صح

مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
 دام سیمین تخيیل ہے مرا آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاوں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا تخم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة انکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صحیح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوتا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوتا
 آسمان تیری لحد پر شبتم افشاںی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

[202]- مرزا غالب: علامہ اقبال

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخيیل کی رسائی تاکجا
 تھا سر اپارو ح تو بزم سخن پیکر ترا

زیبِ محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستور ہے
محفل ہستی تری بر باط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
تیرے فردوسِ تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ دار
زندگی مضر ہے تیری شوخی تحریر میں
تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محوجیرت ہے ثیرار نفت پرواز پر
شہادِ مضمون تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
آہ تو اجزی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویمر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ ہیں
گیسوئے اردو ابھی منت پزیر شانہ ہے
شعیہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
اے جہان آباد اے گھوارہ علم و هنر
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر

دفن تجھ میں کوئی خر روز گارا یا بھی ہے
تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

[203]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[204]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیکھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دکھ!
اس جلوہ بے پرداہ کو پرداہ میں چھپا دکھ!
ایام جدائی کے ستم دیکھ بغاہ دکھ!
بیتاب نہ ہو معرکہ نہیں ورجاد کیکھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گند افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوا نیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہ ایام میں آج لپنی اداد کیکھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپید ترے بحر تخلیل کے کنارے

پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیر خودی کرازہ آہ رساد کیجھ
 خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشنے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہنچا ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش پیغم کی جزاد کیجھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
 تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
 تو پیر صنم خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کیجھ!

-مارچ 1907ء: علامہ اقبال [205]-

زمانہ آیا ہے بے جباری کا عامد دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
 گزر گیا ب وہ دور ساتی کہ چھپ کے پیٹے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیسیں گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی گرنیا خارز ار ہو گا
 سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
 جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
 نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

کیا مر اتنے کرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمان میں
تو پیرے مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عبار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خیبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چین میں لا لہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
جو ایک تھاںے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کے اعتبار ہو گا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پابہ گل ہیں
تو غنچے کہنے لگے ہمارے چین کا یہ رازدار ہو گا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شر رفتا ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
تو اک نفس میں جہاں سے ٹھانجھے مثال شرار ہو گا
نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

[206]-مسجد قرطبه: علامہ اقبال

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلہ روز و شب تاریخ ریورنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب صرفی کائنات
تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا

اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشقِ دم جبریل عشقِ دل مصطفیٰ
عشقِ خدا کار رسول عشقِ خدا کا کلام
عشق کی مسی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس اکرام
عشق فقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے این السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطباً عشق سے تیر اوجود
عشق سر اپادام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مججزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرو و
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرشِ معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے بسہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز بجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مر اذوق و شوق
دل میں صلاوة و درود لب پہ صلاوة و درود
شوقي لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے

تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جیل تو بھی جلیل و جیل
تیری بن پانیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخل
تیرے دروبام پر وادی ایکن کا نور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساتھ ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبیوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کار آفریں کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل

اس کی ادول فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دل میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ اخْمَم میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا لمنی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتنی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جو اں
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گفتگو گرم دم جتو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا لقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طلسماں و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تاگر دوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حال خلق عظیم صاحب صدق و پیقیں
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفقت ہے سحاب
لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
علم نو ہے ابھی پر دہ قدری میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے جاب
پرداہ اٹھا دوں اگر چیرہ افکار سے
لانہ سکے گافرنگ میری نواوں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی

روح ام کی حیات کئیکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-[207]- التجائے مسافر: علامہ اقبال

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسح و خضر سے او نچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوی
 بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
 اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
 دگر کشادہ جہیں گل بہار توام
 چین کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
 ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
 چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
 شراب علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
 نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
 کیا خدا نے نہ محتاج با غباں مجھ کو
 فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں

تری دعا سے عطا ہو وہ نر دبائی مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جانب سے ایسی ملے فغال مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعایہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفلِ عشق
ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
جلاء کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
ہوائے عیش میں پالا کیا جو اں مجھ کو
ریاضِ دہر میں مانند گل رہے خندان
کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ الجاجے مسافر قبول ہو جائے

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا مجنون نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزایہوا آسودہ دریازم سیر
 تھی نظر جیسا کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفل شیر خوار
 موج مضطرب تھی کہیں گہرا یوں میں مست خواب
 رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
 انجم کم ضو گرفتار طسم مہتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیغام خضر
 جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
 چشم دل واہو تو ہے تقدیر عام بے جاب
 دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
 میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا
 اے تری چشم جہاں میں پروہ طوفاں آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشیہ مسلکین و جان پاک و دیواریتیم
 علم موسیٰ بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد اودوش
 زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے

اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب حضر

صغر انور دی

کیوں تعجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے
 یہ تنگاپوئے دادم زندگی کی ہے دلیل
 اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
 گو نجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رہیں
 ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
 وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
 وہ نمود اختر سیما ب پہنگا م صبح
 یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبر نیل
 وہ سکوت شام صحر امیں غروب آفتاب
 جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
 اور وہ پانی کے چشے پر مقام کارواں
 اہل ایمان جس طرح جنت میں گرد سلسیل
 تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش

اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
زندگی بر تراز سودا وزیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندر یتھے سودا وزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیانہ امر و زو فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنجیر سے
گرچاک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیر امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زناہ رتو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار

تایہ چنگاری فروع جاوداں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
 تابد خشائ پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو مر آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 تو ڈیتا ہے کوئی موئی طلس سامری
 سروری زیا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاتر اشی خواجه آزبر ہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنواب قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثرخواب آوری
 گرمی گفتار اعضا نے مجلس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلتاں سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مز دور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیدر گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
 ساحر الموطنے تجھ کو دیا برگ حشیش
 اور تو اے بے خبر سمجھا سے شاخ نبات
 نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
 خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مر انداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تو لٹو اگیا نقد حیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے کھا گیا مز دورہ مات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول

غنچہ ساں غالترے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جہور ہے سامان عیش
 قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن لگتی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑا میں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روتی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بھار
 رخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
 کرکم ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تخلی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پنهان نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے تثییث کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
 ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
 جو سر اپانا تھے ہیں آج مجبور نیاز
 لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
 وہ مے سر کش حرارت جس کی ہے مینا گداز
 حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
 کلکٹرے کلکٹرے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز
 ہو گیا مانند آب ارزان مسلمان کا ہبو
 مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتائے راز

گفت روی ہر بنائے کہنہ کا بادال کند
می ندانی اول آں بنیاد اویر ال کند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کردست غافل در گر
مو میانی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجت پیش سیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بینا ہے مشرق کی نجات
الیشا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شفر
جو کرے گا اتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیاد نیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاشی نخفی راز جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
مون مضر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے

اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آڑ مودہ فتنہ ہے اک اور بھی گروں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[209]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیاۓ دوں
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
 اس کی بربادی پر آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
 میں نے ناداروں کو سکھلا یا سبق تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزان کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہوا ابلیس کا سوز دروں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر گنوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدار میں سجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتھی ہے خام
یہ ہماری سمیٰ پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قولی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تبغ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جبت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرा مشیر

خیر ہے سلطانی جہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بنی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کار و بار شہر یاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر

مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر ہو چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے جعلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دکتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومتہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا، ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بنی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر امیں کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تونے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز

ابلہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
 تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محرم نہیں
 سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا فقط لقدیں و تستیج و طواف
 تیری غیرت سے اب تک سر نگوں و شرمسار
 گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قباہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزان روز گار
 چھائی آشنا ہو کر وسعت افلاک پر
 جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فرد اکی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مرغزار و جوں بار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزیر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-[210]- لینن: علامہ اقبال

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینده تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محرم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے

بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو غالق اعصار و نگار ندہ آنات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنے سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیمہ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں ہٹکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند درخشنده فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم وہ سر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعناں تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بکلوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مغاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلas
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
 حداس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
 ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
 احساں مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
 مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں چیر ان خرابات
 چہروں پر جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یاغاڑہ ہے یا ساغر و بینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گاسرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

-ناک: علامہ اقبال [211]-

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پرواہ کی
 قدر پچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے بچل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جوز ندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی

آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
دردانسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندرہ میں
شمع گوتم جل رہی ہے محفل اغیار میں
بتنکہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

[212]- تصویر درد: علامہ اقبال

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
چجن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندیسوں نے
چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغال میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاؤ داں میری نہ مر گ ناگہاں میری
مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستان کا
وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دھرمیں نا آشانے بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویاً
میں حرف زیر لب شرمندہ گوش سماعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدورت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیکانہ
میں اس می خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایا سیا بیاں مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ ساماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تر انتظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا

لکھا لک ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان برگ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں ٹلپیں
تیری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وطفیفہ جان کر پڑھتے ہیں طاری بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہورہا ہے ہونے والا ہے
دھر آکیا ہے بھلا عہد کہنی کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہوا اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
اہور ورو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تیری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا

مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کا وی میں
کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پر دوں میں پہاں چشم پینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پاتونے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرونِ محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیونے
تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنا تالہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدائونے
صفائے دل کو کیا آراکش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اوناداں حناتو نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندرار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھام قید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی

نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھاواہ حسن عالم سوزاپنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبنم کو
ذرانظر ہی اے بواہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تھسب ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رغعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الفت فکر درمان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے تنگ سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تنگ آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تافک پرواہز ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور رہنا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا

یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجور ہنا
نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں اوپیگانہ خور ہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور ہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
بیان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ ویرانہ نفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع ان جسن بھی ہے
وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
اجڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
سکولت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
نمیگر دید کوتہ رشیہ معنی رہا کردم
حکایت بودے پایاں بجاموشی ادا کردم

[213]- طالب علم: علامہ اقبال

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

[214]- ذوق و شوق: علامہ اقبال

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پرده وجود
دل کے لیے ہزار سو دا یک نگاہ کا زیان!
سرخ و کبو بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ برنگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوابرگ نخلیل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں
آگ مجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں
آئی صدائے جبریل تیرا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کلائیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!

ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے بھی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین پتندہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معز کہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آپ کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پروردش
ہے رگ ساز میں روای صاحب ساز کا لہو!
فرصت کنکش میں ایں دل بے قرار را
یک دوشکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرے موجود الکتاب!
گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!

فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
 شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
 تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقل، غیاب و جتجو! عشق، حضور و اضطراب!
 تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
 طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تھیں بے رطب!
 تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشید
 عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب!
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! ہجر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جور ہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہو فراق!
 موئی کی جتجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

[215]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر

رفت میں آہاں سے بھی اوچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شت
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پر ہندوستان کوناز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

-نیاشوالہ: علامہ اقبال [216]-

سچ کہہ دول اے بر ہمن گرتوبانہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیر کھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک و طلن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پر دے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹا دیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیاشوالہ اس دلیں میں بنادیں

دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملا دیں
 ہر صبح اٹھ کے گائیں منڑوہ میٹھے میٹھے
 سارے پچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [217]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

-والدہ مر حومہ کی یاد میں: علامہ اقبال [218]-

ذرہ ذرہ دہر کا زمانی تقدیر ہے
 پر دہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
 آسمان مجبور ہے نہ مس و قمر مجبور ہیں
 انجم سیما ب پار فقار پر مجبور ہیں
 ہے شکست انجام غنچے کا سبو گزار میں

سیزہ دگل بھی ہیں مجبور نمو گزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روائ
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبکم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کاراز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیر گنگی دوراں نہیں
دل مراجیروں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سنگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا

جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان نا تو اس
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرپے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھا پے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعاۓ نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بی
وہ جو ان قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پار و تا ہے وہ

صبر سے نا آشنا بھج و مسرا و تا ہے وہ
ختم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بو گئی
شرکت غم سے وہ افت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد ایں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آر افلز م خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلو فشار ہے
قافلے میں غیر فریاد دراپکھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا پکھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلتستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں
سبز کر دے گی انہیں باد بہار جاؤ داں
ختہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کو نہ کردیا نظام کا نات
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوابالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جتیور رہتی نہ ہو
آہ سیما پریشان انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سور
عقل جس سے سر بہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر

قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشنِ محفلِ قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
خشم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فروائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسرده ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشنتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مر نے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے

وقت کے افسوں سے تھختا نالہ ماتم نہیں
وقت زخم تنخ فرقہ کا کوئی مرہم نہیں
سرپہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیام دیدہ انساں سے ہوتے ہیں رواں
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکیباً سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلاسائی فراموشی نہیں
پرده مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
داع شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صبح
لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زبان طاڑ کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
سینہ بلبل کے زندال سے سرو د آزاد ہے
سیکڑوں نغموں سے باد صبح دم آباد ہے
خفته گان لالہ زارو کو ہسار و روبار
ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجم صبح
دام سیمین تخلیل ہے مر آفاق گیر

کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسی
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاوں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی بیس لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا تم عمل کے واسطے
 نور فطرت خلقت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صحیح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزان ہوترا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوترا
 آسمان تیری لحد پر شبنم انشانی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

[219]-مرزا غالب: علامہ اقبال

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تھیل کی رسائی تاکجا
 تھاسر اپارو ح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے

بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستور ہے
محفل ہستی تری بر بلط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
تیرے فردوس تخلیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں
تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محوجیرت ہے ثریار فعت پرواز پر
شاہد مضموم قصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
آہ تو اجرٹی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
اطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
ہو تخلیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشین
ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ میں
گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
اے جہان آباداے گہوارہ علم وہ سر
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں نہش و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
دفن تجھ میں کوئی فخر روز گار ایسا بھی ہے
تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

[220]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[221]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ خضاد کیجھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوہ بے پرداہ کو پرداہ میں چھپا دیکھ!
ایام جدائی کے ستم دیکھ جناد کیجھ!
بیتاب نہ ہو معرکہ بیم و رجاد کیجھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاؤک یہ خاموش فضا ائیں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آنکینہ ایام میں آج اپنی اداؤ دیکھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپید ترے بحر تخلیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کراڑ آہ رساد دیکھ

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشنے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش پیغم کی جزاد کیجو!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازال سے
 تو جنس محبت کا خریدار ازال سے
 تو پیر صنم خانہ اسرار ازال سے
 محنت کش و خوب ریزو کم آزار ازال سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کیجو!

-مارچ 1907ء: علامہ اقبال [222]-

زمانہ آیا ہے بے جانی کا عام دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
 گزر گیا ب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیسیں گے
 برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
 سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
 جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
 نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
 سنائے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
 کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
 تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکان نہیں ہے
 کھڑا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
 تمہاری تہذیب اپنے خبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
 جو شاخ نازک پر آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
 سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توں کا
 ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
 چمن میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس د کھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
 جو ایک تھاۓ نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں د کھایا
 یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاپہ گل ہیں
 تو غصے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروں کو
 شر رفتا ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹنائجھے مثال شرار ہو گا
 ن پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

سلسلہ روز و شب نقش گر خادثات
سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلہ روز و شب تاریخ دور نگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فقاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب صرفی کائنات
تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ

عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مسی سے ہے پیکر گل تباہ
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق نقیبہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن اسپیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطباً عشق سے تیر او جود
عشق سر اپادوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرو
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلواۃ و درود لب پہ صلواۃ و درود
شو ق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

تیری بنای پنیدار تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجومِ نخل
تیرے دروبام پر وادی ایکن کانور
تیر امنا ریند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذاؤں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حدود اس کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل
ساقی اربابِ ذوق فارس میدانِ شوق
بادھے اس کا رحیقِ تنخ ہے اس کی اصل
مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیالِ عظیم
اس کا سر و راس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا اصفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصدِ جلیل
اس کی ادادِ فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشمِ غزال

اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ احمد میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا لمنی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گفتگو گرم دم جتو
رزم ہو یا زم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں

ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی بیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفقت ہے سحاب
لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
کشتنی دل کے لیے میل ہے عہد شباب
آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالم نو ہے ابھی پر دہ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے جا ب
پر دہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے
لانہ سکے گافرنگ میری نواوں کی تاب
جس میں نہ ہوا انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح ا Mum کی حیات کشمکش انقلاب
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم

کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
لغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-التجاء مسافر: علامہ اقبال [224]-

فرشته پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار تو ام
دگر کشادہ جیمین گل بہار تو ام
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکھت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگرانے سے
شراب علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نر دباں مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں قدر آگے

کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
 مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکے
 کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
 دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
 تری جناب سے ایسی ملے فناں مجھ کو
 بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
 چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
 پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
 کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
 وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
 رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جو اں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گل رہے خندان
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جاں جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریازم سیر
تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطرب تھی کہیں گھر ایوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
اجنم کم ضوگر فقار طسم ماہتاب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیا خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر نگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے جاب
دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
میں شہید جنتو تھا یوں سخن گسترد ہوا
اے تری چشم جہاں بیں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
کشیی مسلکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موسیٰ بھی ہے ترے سامنے جیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک

نوجوان اقوامِ نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جوابِ خضر

صغر انور دی

کیوں تجھ بہے مری صحر انور دی پر تجھے
 یہ تنگا پوئے دمادِ زندگی کی ہے دلیل
 اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
 گو نجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رہیں
 ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
 وہ حضر بے برگ و سماں وہ سفر بے سنگ و میل
 وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح
 یانمایاں بام گردوں سے جبین جبر نیل
 وہ سکوت شام صحر امیں غروب آفتاب
 جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بین خلیل
 اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
 اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
 تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
 اور آبادی میں توزنجیری کشت و نخل
 پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی

ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی
زندگی بر ترازِ سود و زیاں ہے زندگی
زندگی بر ترازِ اندریشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیانہ امر و زوف و فرد اسے نہ ناپ
جاو داں چیم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکرال ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنجیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیر امتحان ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
تایہ چنگاری فروغ جاو داں پیدا کرے
خاک مشرق پر چمک جائے مثل آفتتاب

تابد خشائ پھروہی لعل گرال پیدا کرے
سوئے گردوں نالہ شبکیر کا بھیجے صابر
رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آباتاؤں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
تاتراشی خواجہ از بر ہمن کافر تری
ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

گرمی گفتار اعضاۓ مجاس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مز دور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ یہاں کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
 ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
 اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ بنا ت
 نسل قومیت کیسا سلطنت تہذیب رنگ
 خواجی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تو شو گیا نقد حیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
 انہنائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شنبم کب تک
 نغمہ بیداری جمہور ہے سامان عیش

قصہ نواب آور اسکندر و جم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن گئی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا تم کب تک
 توڑا لیں فطرت انسان نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرمائے یہ کہتی ہے بہار
 زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
 کر مک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سنا تا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے تثیث کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
 ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
 جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
 لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
 وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
 حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز
 ہو گیا مانند آب ارز ان مسلمانوں کا ہو
 مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتاۓ راز
 گفت روئی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند
 می ندانی اول آں بنیاد راویراں کنند

ملک ہاتھوں سے گیال ملت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراجمشے عطا کر دست غافل در گذر
مو میاں کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شغیر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خنوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تاختلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاسی خفی راز جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو پچھی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موج مضطرب کس طرح بنی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود

مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈلی سی اک تصویر دیکھ
 آزمودہ قتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم اسی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یختلف المیعاد دار

-[226]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیاۓ دوں
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
 اس کی بر بادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسou
 میں نے ناداروں کو سکھلا یا سبق تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیس کا سوز دروں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر فنگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام

پختہ تر اس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سبود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سعیٰ پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قوائی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کندھو کر رہ گئی مومن کی تفہیبے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کار و بار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پروپر کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جہوری نظام
چہرہ روشن اندر وہ چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے جعل وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دکتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑدی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کا رومتہ الکبری کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر البلیس کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تونے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
البلہ جنت تری تعلیم سے داناۓ کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں

سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا نقطہ تقدیس و تسیح و طواف
 تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
 گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ بہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چراغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزان روز گار
 چھاگئی آشفۃ ہو کرو سعیت افلک پر
 جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فرد اکی بیبٹ کایہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مرغ ارو جو بمار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزیر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-لینن: علامہ اقبال [227]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائیدہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بیٹائے کو اکب ہو کہ دانائے بنا تات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت

میں جس کو سمجھتا تھا لیسا کے خرافات
ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنے سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیاخیمہ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں ہکلکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلرات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعائی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہ ہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پینتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
 احساں مردود کو کچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
 مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یا غازہ ہے یا ساغر و بینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گاسرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

[228]-[نائک: علامہ اقبال]

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
 قدر پیچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جوز ندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفوظ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے

برہمن سرشار ہے اب تک مجھے پندار میں
 شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر انھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
 ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

[229]- تصویر درد: علامہ اقبال

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
 خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
 یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
 یہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
 اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ زرگس نے کچھ گلنے
 چجن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
 اڑالی قمریوں نے طویلوں نے عندلیبوں نے
 چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فقاں میری
 ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
 سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
 الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
 حیات جاؤ داں میری نہ مرگ ناگہاں میری
 مرارونا نہیں رونا ہے یہ سارے گستاخ کا
 وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
 دریں حسرت سر اعمربیست افسون جرس دارم
 زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم

ریاض دھرمیں نا آشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
میں حرف زیر لب شر مند گوش ساعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو رت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزیں ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں منون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیکانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثریہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تر انصارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیارونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچین

تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بر بادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہورہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
بھی آئیں قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلتاں کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا

دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفتہ کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیں
تعصب چھوڑنا داں دھر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گردہ میں باندھ رکھی ہے صدائوں نے
صفائے دل کو کیا آراکش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے او ناداں حتا تو نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھام قید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو

جو ترپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذر انتارہ ہی اے بواہوں مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جنم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثراں کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
ناٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفتہ کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درمان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا پنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذر اسے تنقی سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تنقی آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تائفک پرواز ہے میری
نشست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بورہ نہ
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا
بانیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجور رہنا

نہ رہاپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
 اگر منظور ہے دنیا میں اویگانہ خورہنا
 شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی
 سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبورہنا
 محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
 کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
 بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
 یہ دیرانہ نفس بھی آشینہ بھی چمن بھی ہے
 محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
 جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہران بھی ہے
 مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع انجمن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہرشے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستوں بھی کوہ کن بھی ہے
 اجاڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر و طن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو ترشنہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بجموشی ادا کردم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجود میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

-ذوق و شوق: علامہ اقبال [231]-

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پردہ وجود
دل کے لیے ہزار سو دلیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
سرخ و کبو بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوابر گ نخل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کاروان
آئی صدائے جریل تیر ا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنے ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات

قافلہ جاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معز کرہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سر گزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائی صاحب ساز کا ہو!
فرصت کنکٹیشن میں ایں دل بے قرار را
یک دوشکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر او جود الکتاب!
گنبد آگبینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروع
ذرا ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیرے اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام

میرا قیام بھی جاپ! میرا بجود بھی جاپ!
 تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقل، غیاب و جتجو! عشق، حضور و اضطراب!
 تیرہوتا رہے جہاں گردش آفتاب سے!
 طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے جاپ سے!
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخيیل بے رطب!
 تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشید
 عشق کی ابتداء جب عشق کی انتہا جب!
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہو فراق!
 موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-[232]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اوچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست

مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
ہے رام کے وجود پر ہندوستان کوناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز اس چراگ ہدایت کا ہے میہنی
روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

[233]-نیاشوالہ: علامہ اقبال

تھے کہہ دول اے برہمن گرتوبرانہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیرکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پر دے اک بار پھر اٹھادیں
مچھڑوں کو پھر مladیں نقش دوئی مٹا دیں
سوئی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آک نیاشوالہ اس دل میں میں بنادیں
دنیا کے تیر تھوں سے اونجا ہوا پینا تیر تھ
دامان آسمان سے اس کا کلس ملا دیں

ہر صبح اٹھ کے گائیں منترو وہ میٹھے میٹھے
سارے پیچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکنی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

[234]- عورت: علامہ اقبال

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

[235]- والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے نہش و فخر مجور ہیں
انجم سیما ب پار فقار پر مجور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سیزہ و گل بھی ہیں مجور نہو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر

ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسی
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبکم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جان تا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجیراں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ چیم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائندہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سگدل شر مندہ ہے
موح دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رن بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان

اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہ بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں، ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں، ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خلطہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہو اتو چل بسی
وہ جو ان قامت میں ہے جو صورت سر و بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے ن آشنا صبح و مساروتا ہے وہ
ختم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی

شرکت غم سے وہ افت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد ایں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزاس ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آر اقلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قالے میں غیر فریاد دراکچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سیز کر دے گی انہیں باد بہار جاؤ داں
خفته خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجمام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزش تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلک پچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہیں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیال کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے پوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے بیت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشانِ انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سرگزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثالِ شمع روشنِ محفل قدرت میں ہے

آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
خشم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فرزائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمد
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پر دے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درداجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تحتمانا لہ راتم نہیں
وقت زخم تبغ فرقہ کا کوئی مرہم نہیں

سرپہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیغم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایاں
ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکیباں سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردیاں آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فقاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دل اسائی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسردا کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طائر کو سرمست نواکرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندال سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زارو کو ہسارو رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہو ہر شام صح
 مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
 دام سینین تخلی ہے مر آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے

جیسے کبھی میں دعاوں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جوالاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
 نور فطرت خلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صحیح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوترا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوترا
 آسمان تیری لحد پر شبتم افشاںی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

-مرزا غالب: علامہ اقبال [236]-

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تھیل کی رسائی تا کجا
 تھاسرا پاروح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار

جس طرحندی کے نغموں سے سکوت کوہسار
 تیرے فردوسِ تخیل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
 زندگی مضرہ ہے تیری شوخی تحریر میں
 تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محیرت ہے ثریارفت پرواز پر
 شاہدِ مضمونِ تصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجزی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشنِ دیبر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
 لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سر زمین
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ ہیں
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
 اے جہان آباد اے آگہوارہ علم و هنر
 ہیں سر اپانالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پنهان کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

-[238]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
 مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
 اس جلوہ بے پرداہ کو پرداہ میں چھپا دیکھ!
 ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ!
 پیتاب نہ ہو معرکہ یہم و رجاد دیکھ!
 ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
 یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضا ایں
 یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
 تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
 آئکیں ایام میں آج اپنی اداد دیکھ!
 سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
 دیکھیں گے تھجے دور سے گردوں کے ستارے!
 ناپید ترے بحر تخلیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیر خودی کراڑ آہ رساد دیکھ
 خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں

بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوسِ نظر میں
 جنتِ تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش چیم کی جزا دیکھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
 تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
 تو پیرِ صنمِ خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
 ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیریِ رضادِ دیکھ!

-مارچ 1907ء: علامہ اقبال [239]-

زمانہ آیا ہے بے جوابی کا عام دیدارِ یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
 گزر گیا ب وہ دور ساتی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آب سیسیں گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
 سنادیا گوش منتظر کو ججاز کی خامشی نے آخر
 جو عهدِ صحر ایسوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
 نکل کے صحر اسے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
 کیا مر اتذکرہ جو ساتی نے بادہ خواروں کی انجمیں میں
 تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منه پھٹ ہے خوار ہو گا
 دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
 کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے خبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
 جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
 سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توں کا
 ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
 چن میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس د کھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
 جو ایک تھاںے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں د کھایا
 بھی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کے اعتبار ہو گا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہ گل ہیں
 تو غنچ کہنے لگے ہمارے چن کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروں کو
 شر رفتا ہو گی آہ میری نفس مر اشعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹھنڈھے مثال شرار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قربطہ: علامہ اقبال-[240]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات

سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات

سلسلہ روز و شب تارِ حریر دور نگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب سیرنی کائنات
تو ہوا گر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفی
عشق خدا کار رسول عشق خدا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک

عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق نقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نوریات عشق سے ناریات
اے حرم قرطباً عشق سے تیراً وجود
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مججزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرود
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلاوة و درود لب پے صلاوة و درود
شوقي لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جیل تو بھی جلیل و جیل
تیری بنان پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخل

تیرے دروبام پر وادی ایمن کا نور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساتی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مو من کاراز
اس کے دونوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مو من کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی اداد فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی بیں دل نشیں
بوعے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے

رنگ حجاز آج بھی اس کی نواوں میں ہے
دیدہ انجم میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا لئی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا بہاں
ملت روئی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گنتیو گرم دم جتو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین مبین
تجھ سے حرم مرتبہ اندلسیوں کی زمیں
ہے تھے گروں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں

آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ میں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں انہیں
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کھسار میں غرق شفقت ہے سحاب
لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
آب روان کیسر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
علم نو ہے ابھی پرداہ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے چاب
پرداہ اٹھادوں اگر چہرہ افکار سے
لانہ سکے گافرنگ میری نواوں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح ام کی حیات کشمکش انقلاب
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
نقش بیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر

نغمہ ہے سو دائے خام خون جگر کے بغیر

-[241]- انجائے مسافر: علامہ اقبال

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیضِ عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسج و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہِ دلم داغِ لالہ زار توام
دگر کشادہ جیسمِ گل بہار توام
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل
ہوا ہے صبر کا منظورِ امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شرابِ علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ متاجِ باغبان مجھ کو
فلکِ نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزد بیان مجھ کو
مقامِ ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کارروائی مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے

کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
 دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
 تری جناب سے ایسی ملے فغال مجھ کو
 بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
 چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
 پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
 کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
 وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
 رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
 بنایا جس کی مروت نے لکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تو
 ہواۓ عیش میں پالا کیا جو اس مجھ کو
 ریاضِ دہر میں مانند گل رہے خندان
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ انجائے مسافر قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [242]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا مجنونظر
گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریازم سیر
تھی نظر جیوال کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطرب تھی کہیں گھر ایوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
اخجم کم ضو گرفتار طسم ماہتاب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیا خضر
جس کی بیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
چشم دل وا ہو تو ہے تقدیر عالم بے حباب
دل میں یہ سن کر بہن گامہ محشر ہوا
میں شہید جنتجو تھا یوں سخن گستر ہوا
اے تری چشم جہاں بیں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں نخوش
کشیہ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موئی بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
نوجوان اقوام نو دولت کے بیں پیرا یہ پوش
گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی

فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
بچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب حضر

صغر انور دی

کیوں تجھ بہ مری صحر انور دی پر تجھے
یہ تگاپوئے دماد م زندگی کی ہے دلیل
اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نجت ہے جب فضاۓ دشت میں بانگ رحل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کابے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و سماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح
یانمایاں بام گردوں سے جین جرنیل
وہ سکوت شام صحرائیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ دیرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز سودا م زندگی
زندگی بر تراز سودا وزیاں ہے زندگی

زندگی بر تراز اندیشه سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیغامہ امر و زو فرد اسے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تشنیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مر نے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
تایہ چنگاری فروغ جاو داں پیدا کرے
خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاں
تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر

رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبناوں تجھ کو مر آیہ ان الملوك
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا محكوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
از غلامی فطرت آزاد رار سو امکن
تاتراشی خواجہ از بر ہمن کافر تری
ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنوابے قیصری
دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضاۓ مجالس الامان
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

سرما یہ و مخت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپیغام دے
حضر کا پیغام کیا ہے یہی یام کا نات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
ساحر الموطنے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ بنا ت
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مر انداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
سکر کی لذت میں توٹو اگیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انہتائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجپ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تک
لغمہ بیداری جہور ہے سامان عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا

آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑا لیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرمائے یہ کہتی ہے بہار
 زخم گل کے واسطے تدیر مرہم کب تک
 کرکے ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دنیاۓ اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے مشیث کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
 ہو گئی رسوازمانے میں کلاہ لالہ رنگ
 جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
 لے رہا ہے مے فروشن فرنگتاں سے پارس
 وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
 حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دینا ہے گاز
 ہو گیا مند آب ارزائ مسلمان کا ہو
 مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داناۓ راز
 گفت رومی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند
 می ند اپنی اول آں بنیاد راویراں کنند
 ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
 حق ترا چشمے عطا کر دست غافل در گر

مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے نکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بینا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شغیر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیاد نیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاسی خفی راز جلی ہشیار باش
اے گرفقار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سودہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں

آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولیٰ تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخلف المیعاد دار

-[243]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس
 یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیاۓ دوں
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
 اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
 میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہوا ابلیس کا سوز دروں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
 پختہ تراس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود

ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتھی ہے خام
یہ ہماری سمعی پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کندھو کر رہ گئی مومن کی تنخ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
توجہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کار و بار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر ہوں چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
 ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
 وہ کلیم بے جعلی وہ مسح بے صلیب
 نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دکتاب
 کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی ٹکاہ پر دہ سوز
 مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
 اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
 توڑدی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کا رومتہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
 آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
 کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
 گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ تاکل نہیں
 جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
 پانچواں مشیر ابلیس کو مخاطب کر کے
 اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
 تو نے جب چاہا کیا ہر پر دگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
 ابلہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
 تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
 سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا نقطہ تقدیس و تسبیح و طواف

تیری غیرت سے اب تک سرگوں و شرمسار
 گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ بہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قباہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشی ہورہا ہے، همسر شاہین و چرغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزان روزگار
 چھائی آشقة ہو کرو سعیت افلاک پر
 جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فرد اکی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مرغوار و جو نیبار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزیر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

لینن: علامہ اقبال [244]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینڈہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا کلبیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے

تو غالیت اعصار و نگارنده آنات

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنے سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیاخیمہ افلک کے نیچے¹
کانٹے کی طرح دل میں ہٹکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلرات
یورپ میں بہت روشنی علم وہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعناں تغیریں میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا ایک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے بر ق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات
 مے خانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات
 چہروں پر جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مكافات

-نانک: علامہ اقبال]-[245]

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پر وانہ کی
 قدر پچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے نبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکارا س نے کیا جوز ندگی کارا ز تھا
 ہند کو لیکن نیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن ز میں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 بر ہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
 شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں

بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر انھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
 ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

- تصویر درد: علامہ اقبال [246]-

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
 خوشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
 یہ دستور زبان بندی ہے کیا تیری محفل میں
 یہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
 اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
 چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
 اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
 چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فقاں میری
 ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
 سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
 الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
 حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری
 مرارونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلتاں کا
 وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا نزاں میری
 دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
 زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
 ریاض دہر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
 خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں

مری بگزیری ہوئی تقدیر کو روتنے ہے گویا
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
پریشان ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدوڑت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیانہ
میں اسے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار فنگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثریہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے ترانظرہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے

عنادل باغ کے غافل نہ پیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بر بادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہنی کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلتاں کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ جیراں کر کے چھوڑوں گا

جو ہے پردوں میں پہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیوں نے
تعصب چھوڑنا داں دھر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنا لہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گردہ میں باندھ رکھی ہے صدائوں نے
صفائے دل کو کیا آراکش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اونا داں حتاتو نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا تو حید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبئم کو
ذرانظر ہی اے بوالہوں مقصد نہیں اس کا

بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تھسب ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مر ہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراسے نقش سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تنخ آرزور ہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور ہنا

شراب بے خودی سے تافلک پرواز ہے میری
نشست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور ہنا
تھمے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور ہنا
بانیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہوبے آبرور ہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ماں تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجور ہنا

نہ رہ اپنوں سے بے پرواںی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں اوپیگانہ خور ہنا

شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
 سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور ہنا
 محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
 کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
 بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
 یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
 محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
 جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہران بھی ہے
 مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا جس میں علاج گردش چڑخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سرپا نور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع الحجن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
 اجازا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تر رشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

- طالب علم: علامہ اقبال [247]-

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجودوں میں اضطراب نہیں

تحقیق کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

[248]- ذوق و شوق: علامہ اقبال

قلب و نظر کی زندگی دشمن میں صحیح کام
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دہ وجود
دل کے لیے ہزار سو دل ایک نگاہ کا زیان!
سرخ و کبوڈ لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارہ نگ بر نگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیں دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں
آئی صدائے جبریل تیر ا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے متنے حیات
کہنے ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنی کا رگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ ججاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آئیہ کائنات کا معنی دیر یاب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رنگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو!
فرصت کنگمش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوجو دلکشا!
گنبد آگبینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروع
ذرا ریگ کو دیا تو نے طوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمودا!
فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا بجود بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے

عقل، غیاب و جتو! عشق، حضور و اضطراب!
 تیرہوتا رہے جہاں گردش آفتاب سے!
 طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخيّل بے رطب!
 تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشد
 عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہاء عجب!
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بھر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جور ہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جتو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-رام:علامہ اقبال-[249]-

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فلک فلک رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اوچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کوناز

اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

-نیاشوالہ: علامہ اقبال [250]-

سچ کہہ دوں اے برہمن گرتوب رانہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دوئی مٹا دیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیاشوالہ اس دلیں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے او نچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا ٹکس ملا دیں
 ہر صح اٹھ کے گائیں منتروہ میٹھے میٹھے
 سارے پچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [251]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

-والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال [252]-

ذرہ ذرہ دھر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے سمس و قمر مجور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجور ہیں
ہے نکست انعام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجور نہ مو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسی
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجوری عیاں

خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ماہیہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیر گنگی دوراں نہیں
دل مرا حیراں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ چیم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پاینده ہے
درد کے عرفان سے عقل سگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئیندہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
جیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواہ کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاپہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شونخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہ بار کے

علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھا پے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
ترتیبیت سے تیری میں انجام کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دنظر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپادین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہو تو چل بسی
وہ جو اس قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا چیز و مساروتا ہے وہ
تھم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برنا و پیر

آدمی ہے کس طسمِ دوش و فردامیں اسی
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نسیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں خط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قالے میں غیر فریاد دراپچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبر کر دے گی انہیں باد بھار جاؤ داں
ختہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کا نبات
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے چینے میں خل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہایاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیال کچھ اور ہے
جنست نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجمن گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سر بہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آئیں سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے

جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آنتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
تختم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فرزائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسرده ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشقتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقت وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوس سے تھمتا نالہ ماتم نہیں
وقت زخم تبغ فرقت کا کوئی مر ہم نہیں
سر پر آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیغم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایاں

ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردیہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فغال غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پردوہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طاڑ کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندال سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہوہر شام صح
 مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
 دام سینین تخلی ہے مر آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات

جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے شبات
 مختلف ہر منزل ہستی کور سم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جوالاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 سازگار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 نگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوتا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوتا
 آسمان تیری لحد پر شبتم افشاںی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

-مرزا غالب:-علامہ اقبال-[253]-

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تجھیل کی رسائی تاکجا
 تھاسرا پاروچ تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پنهان بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تجھیل سے ہے قدرت کی بہار

تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ دار
 زندگی مضمرا ہے تیری شوخی تحریر میں
 تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محجیرت ہے ثریار فعت پرواز پر
 شاہدِ مضموم تصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویسیر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
 لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخلیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ بیں
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
 اے جہان آباد اے گھوارہ علم وہنر
 ہیں سر اپنانہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-نماز: علامہ اقبال [254]-

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں

اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گر اس سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[255]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
 مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
 اس جلوہ بے پردہ کو پردہ میں چھپا دیکھ!
 ایام جدائی کے ستم دیکھ جناد کیجھ!
 بیتاب نہ ہو معزکہ تیم و رجاد کیجھ!
 ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
 یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
 یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوانیں
 تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
 آئینہ ایام میں آج اپنی اداد کیجھ!
 سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
 دیکھیں گے تھے دور سے گردوں کے ستارے!
 ناپید ترے بحر تخلیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیر خودی کر اثر آہ رساد کیجھ
 خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشنے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں

اے پیکر گل کو شش چیم کی جزا دیجھ!
 نالندرہ ترے عود کا ہر تار ازال سے
 تو جنس محبت کا خریدار ازال سے
 تو پیر صنم خانہ اسرار ازال سے
 محنت کش و خوش ریزو کم آزار ازال سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کیجھ!

-مارچ 1907ء: علامہ اقبال [256]-

زمانہ آیا ہے بے جوابی کا عامد دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر ددار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا
 گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آب سیں گے
 برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
 سنادیا گو ش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
 جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
 نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
 کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
 تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
 دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
 کھڑا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
 تمہاری تہذیب اپنے خبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
 جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورناؤں کا
 ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
 چمن میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس د کھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
 جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں د کھایا
 یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کے اعتبار ہو گا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پابھ گل ہیں
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو پیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروں کو
 شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹنائجھے مثال شر ار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزر بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-[257]- مسجد قربطہ: علامہ اقبال

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ پر دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فناں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب صیر فی کائنات
تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرود ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خودا کا سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر روای کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق قیہہ حرام عشق امیر جنود

عشق ہے ابنِ اس بیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے ناریات
اے حرم قرطہ عشق سے تیر اوجود
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو رو سرو د
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود
شوّق مری لے میں ہے شوّق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخل
تیرے دروازام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذاؤں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و دس کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحلیل
ساتھ ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھ ہے اس کا رحیق تفعیل ہے اس کی اصل
مرد پاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مو من کاراز
اس کے دونوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مو من کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادادل فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ جہاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ انجم میں ہے تیری زمیں آسمان

آہ کے صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا المنی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک روائ
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغرب یوں کا جہاں
ملت رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لنڈت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جو اں
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گفتگو گرم دم جتنجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا لقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین مبیں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و لقین

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت پورپ میں تھی جن کی خرد راہ بین
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جمیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
اعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
علم نو ہے ابھی پرداہ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پرداہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے
لانہ سکے گافر نگ میری نواوں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کنگمش انقلاب
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیضِ عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظامِ مہر کی صورتِ نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسیح و خضر سے او نچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
 بڑی ہے شانِ بڑا احترام ہے تیرا
 اگر سیاہِ دمِ داغِ لالہ زارِ توام
 دگر کشادہ جبینِ گلِ بہارِ توام
 چمن کو چھوڑ کے انکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل
 ہوا ہے صبر کا منظورِ امتحانِ مجھ کو
 چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
 شرابِ علم کی لذتِ کشاں کشاں مجھ کو
 نظر ہے ابرِ کرم پر درختِ صحراء ہوں
 کیا خدا نے نہ محتاجِ باغبانِ مجھ کو
 فلکِ نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
 تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیکِ مجھ کو
 مقامِ ہم سفروں سے ہوا س قدر آگے
 کہ سمجھے منزلِ مقصود کاروائیِ مجھ کو
 مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
 کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمانِ مجھ کو
 دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر

تری جناب سے ایسی ملے فعال مجھ کو
 بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
 چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
 پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
 کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
 وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
 رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعایہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گلی رہے خندان
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

-خضر راہ: علامہ اقبال [259]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب

شب سکوت افراہوا آسودہ دریا نرم سیر
تھی نظر جی راں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے گھوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطرب تھی کہیں گھرائیوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضوگر فقار طسم ماہتاب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیما خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازل
چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے جاب
دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستہ ہوا
اے تری چشم جہاں بیں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
کشیہ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موئی بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
نوجاں اقوام نو دولت کے ہیں پیر ایہ پوش
گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ

خاک و خنوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب حضر

صغر انور دی

کیوں تعجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے

یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل

اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں

گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رہیں

ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام

وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل

وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح

یانمایاں بام گردوں سے جبین جبر نیل

وہ سکوت شام صحر امیں غروب آفتاب

جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل

اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں

اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل

تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش

اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل

پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی

ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی

زندگی بر تراز سودوزیاں ہے زندگی

زندگی بر تراز اندر یہ سودوزیاں ہے زندگی

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

تو اسے پیکا نہ امر و زو فردا سے نہ ناپ
جاو داں چیم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنجیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلوم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مر نے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
تایہ چنگاری فروغ جاو داں پیدا کرے
خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے

پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتابوں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی مو سی طسم سامری
سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
تاتراشی خواجہ از بر ہمن کافر تری
ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنواب قیصری
دیو استبداد جمہوری قبائل پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزرے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضاۓ مجالس الامان
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

سرماہی و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپنے یام دے
حضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شانخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غربیوں کو زکوٰۃ
ساحر الموطنے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شانخ نبات
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مر انداں خیالی دیو تاؤں کے لیے
سکر کی لذت میں تو لٹو اگیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انہنائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجپے ساں غال فل ترے دامن میں شبنم کب تک
لغمہ بیداری جمہور ہے سامان عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام

دوری جنت سے روتی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرمائے یہ کہتی ہے بہار
 زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
 کر کم ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو
 دنیا نے اسلام

کیا سنا تا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے مٹھیت کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
 ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
 جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
 لے رہا ہے مے فروشان فرغتیاں سے پارس
 وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
 حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
 ہو گیا مند آب ارزان مسلمان کا ہو
 مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتا نے راز
 گفت رومی ہر بنا نے کہہ کا باداں کنند
 می مدنی اول آں بنیاد راویراں کنند
 ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں
 حق ترا چشمے عطا کر دست غافل در گمر
 مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
 موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر ناتجاک کا شتر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خنوں مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا عربی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو ماند خاک رہ گزر
تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاسی غمی را ز جلی ہشیار باش
اے گرفقار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تونے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موج مضطركس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جود دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہاں بیور دیکھ
کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس

سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
هر زمان پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[260]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیاۓ دوں
ساکنان عرشِ اعظم کی تمباوں کا خوب
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا ابلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر غوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ حکام ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سبود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں

ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سمعی پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کندھو کر رہ گئی مومن کی تنخ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جبت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی بجہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بنی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطان غیر کی کھتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر ہوں چلگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب

ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تجلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار د کتاب
کیا تاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
شرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر امیں کو مناطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تونے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیم و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام

اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قبہ ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشی ہورہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روز گار
 چھاگئی آشفۃ ہو کرو سمعت افلاک پر
 جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فرد اکی بہیت کایہ عالم ہے کہ آج
 کا نپتے ہیں کوہ سار و مر غزار و جوہ بار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزبر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-لینن: علامہ اقبال [261]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائیدہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا ملکیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
 تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں

حل کرنے سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیر افلاک کے نیچے^ر
کانٹے کی طرح دل میں گھنکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پر قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ ہیواں ہے یہ ظلمات
رعایتی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارتیں
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مغاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلات
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے بر ق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مردوت کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات

مے خانہ کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یاغاڑہ ہے یا ساغر و بینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گاسرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روزِ مكافات

-ناںک: علامہ اقبال [262]-

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پرواہ کی
 قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جو زندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 برہمن سرشار ہے اب تک متے پندار میں
 شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا

پھر اُٹھی آخر صد او حید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

- تصویر درد: علامہ اقبال [263]-

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغان میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاؤ داں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا ونا نہیں رونا ہے یہ سارے گستاخ کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا نزد اس میری
دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
زفیض دل طبیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دھر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویا میں
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں

پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدروت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپنور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار لکھیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائریں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دنوں میں
رلاتا ہے تراظر اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیارونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گل چین
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو

وَظِيفَةُ جَانِ كَرْبَلَاءَ هَذِهُ هُنَى طَائِرَ بُوتَانُوں مِنْ
وَطْنٍ کی فَکْرٍ کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بر بادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہورہا ہے ہونے والا ہے
دھر آکیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
ز میں پر تو ہو اور تیری صد اہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
اہورورو کے محفل کو گلتان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چجن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسلیج میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشاتوںے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پاتوںے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشاتوںے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائوںے
تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے براتوںے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرد میں باندھ رکھی ہے صداتوںے
صفائے دل کو کیا آراش رنگ تعلق سے
کف آئینے پر باندھی ہے اوناداں حنا توںے
ز میں کیا آسمان بھی تیری کج بنی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا توںے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندرار کو اپنا خدا توںے
کنوں میں تو نے یوسف کو جودیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا توںے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو ترپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذر انتظارہ ہی اے بوالہوں مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا

نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تھسب ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درمان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراسے ٹھیک سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح ٹھیک آرزور ہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور ہنا

شراب بے خودی سے تافک پرواز ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور ہنا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور ہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور ہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں مگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجور ہنا
نہ رہاپنوں سے بے پرواہی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خور ہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور ہنا

محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
 کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
 بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
 یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
 محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
 جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
 مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شعاع بھن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے سقوں بھی کوہ کن بھی ہے
 اجاڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تدریشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

[-264]- طالب علم: علامہ اقبال

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بھر کی موجودوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کا سماں
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
 حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دُوّ وجود
 دل کے لیے ہزار سو دل ایک نگاہ کا زیان!
 سرخ و کبود بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
 کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
 گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیں دھل گئے
 ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
 آگ بھجی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
 کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں
 آئی صدائے جبریل تیر ا مقام ہے بھی
 اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے بھی
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
 کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
 کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
 ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
 نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
 قافلة حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
 گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
 عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات!

صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معزکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریاب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلو تیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلو تیان میکدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سر گزشت کھوئے ہوؤں کی جتبو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائ صاحب ساز کا لہو!
فرصت کشمکش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر او جود الکتاب!
گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرا ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
شوق ترا آگرنہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جتبو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ وتار ہے جہاں گردش آفتاب سے!

طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے چاب سے!
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخيیل بے رطب!
 تازہ مرے ضمیر میں معمر کہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشد
 عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب!
 عالم سوزوساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بھر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جور، ہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-[266]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفتہ میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شت
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کونا ز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے بھی

روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

-نیاشوالہ: علامہ اقبال [267]-

سچ کہہ دول اے بر ہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تیگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک و طلن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آن غیریت کے پر دے اک بار پھر اٹھادیں
چھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹادیں
سوئی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آک نیاشوالہ اس دیں میں بنادیں
دنیا کے تیر تھوں سے اونجاہوا پنا تیر تھ
دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منترو وہ میٹھے میٹھے
سارے پچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [268]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

[269]- والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجبوری و بے چار گی تدبیر ہے
آسمان مجبور ہے نہش و قمر مجبور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انعام غنچے کا سبو گزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نمو گزار میں
نغمہ ببل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روائ
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں

لغہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبسم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ماہیہ دار اشک عنابی نہیں
جاتا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیر گنگی دوراں نہیں
دل مراجیاں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پایندہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سنگدل شر مندہ ہے
موح دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہ بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھا پے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور

زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میر انتظار
کون میر اخطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربيت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مدد
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفلک بے دست و پارو تا ہے وہ
صبر سے نآشنا چھ و مساروتا ہے وہ
تحم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طلس م دوش و فرد امیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائ ہے موت

گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرائیزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قالے میں غیر فریاد دراکچھ بھی نہیں
اک منتع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نا لہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
مجھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبز کر دے گی انہیں باد بھار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات

ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہیں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوابالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جتیور ہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثل شمع روشن محفل تدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعله یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا

کم بہا ہے آفتاب اپناتاروں سے بھی کیا
ختم گل کی آکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فرزائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسرده ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبایل زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشقتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتانالہ ماتم نہیں
وقت زخم تخف فرقہ کا کوئی مرہم نہیں
سر پہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیغم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں رووال
ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شنک آباد سے

آدمی تاب شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افسانی سے ہے
سردیہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فعال غفلت کی خاموشی نہیں
آگھی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صبح
الله افسرده کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زبان طاڑ کو سرمست نواکرتی ہے یہ
سینہ بلبل کے زندال سے سرو د آزاد ہے
سیکڑوں نغموں سے باد صبح دم آباد ہے
خفته گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجمام صبح
دام سیمین تخلیل ہے مر آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
جیسے کبھی میں دعاوں سے فضامعمور ہے
وہ فرانچ کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
مختلف ہر منزل ہستی کورسم و راہ ہے

آخرت بھی زندگی کی ایک جو لال گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزان ہوترا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوترا
 آسمان تیری لحد پر شب نم اشنا کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

-مرزا غالب:-[270]- علامہ اقبال

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخيّل کی رسائی تا بجا
 تھا سر اپارو ح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کوہ سار
 تیرے فردوس تخيّل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے بین عالم سبزہ وار
 زندگی مضر ہے تیری شوخی تحریر میں

تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محوجرت ہے ثریار فعت پرواز پر
 شاہدِ مضمومِ تصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویبر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
 لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ میں
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزائی پروانہ ہے
 اے جہاں آباداے گھوارہ علم وہنر
 ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-[271]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال بیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گرال سمجھتا ہے

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[272]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوہ بے پرده کو پرده میں چھپا دیکھ!
ایام جدائی کے ستم دیکھ جھاد کیجھ!
بیتاب نہ ہو معرکہ بیم و رجاد کیجھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئکیں ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے چھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپیدترے بحر تھیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کراڑ آہ رساد کیجھ
خورشید جہاں تاب کی خوتیرے شر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنست تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش چیم کی جزا دیکھ!
نا لندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے

تو جنس محبت کا خریدار ازال سے
تو پیر صنم خانہ اسرار ازال سے
محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازال سے
ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کچھ!

[273]-[1907 مارچ]- علامہ اقبال

زمانہ آیا ہے بے جا بی کا عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیسیں گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحر ایسوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحر اسے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمیں میں
تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منه پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توں کا
ہزار موجودوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا

چن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
 جو ایک تھا اے نگاہ تو نہ ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 بہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کے اعتبار ہو گا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاپے گل ہیں
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے چن کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنمش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروائی کو
 شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹھانجھے مثل شرار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قربطہ: علامہ اقبال [274]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ ر دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات

تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب صیرنی کائنات
تو ہوا اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تاباک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات

عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطبه عشق سے تیر او جود
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رگنگ ہو یا خشت و سنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسو ز و سرو و سرو د
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے پسہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سبود
کافر ہندی ہوں میں دکھے مراذوق و شوق
دل میں صلاوة درود لب پہ صلاوة درود
شو ق مری لے میں ہے شو ق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخیل
تیرے درو بام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سلتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل

اس کی زمیں بے حد و داں کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج جلد و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحلیں
ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھے ہے اس کا رحیق تنخ ہے اس کی اصلیں
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنه لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی اداد فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوعے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ ججاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ انجمن میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے

عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جان
دیکھ چکا المٹی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتنی نازک رواں
حشم فرانسیس بھی دیکھی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زمدم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک بازار
نقطہ پر کار حق مرد خدا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں

جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
 ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد را بیں
 جن کے اہو کے طفیل آج بھی ہیں اند لسی
 خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جیں
 دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھتا ہے کیا
 گند نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
 وادی کھسار میں عرق شفق ہے سحاب
 لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
 سادہ و پر سوز ہے دختر دھقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پرداہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
 پرداہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ا Mum کی حیات کنگمش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیضِ عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ مہر کی صورتِ نظام ہے تیرا
تری لمحہ کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسکن و خضرتے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہِ دلم داغ لالہ زارِ توام
دگر کشادہ جینمِ گل بہارِ توام
چجن کو چھوٹ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل
ہوا ہے صبر کا منظورِ امتحانِ مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شرابِ علم کی لذت کشان کشانِ مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاجِ باغبانِ مجھ کو
فلکِ نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیکیِ مجھ کو
مقامِ ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کا روایںِ مجھ کو
مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمانِ مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغالِ مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے

چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
 پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
 کیا جنہوں نے محبت کاراز داں مجھ کو
 وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
 رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی گلی
 بنایا جس کی مردت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاضِ دہر میں مانند گل رہے خداں
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے گلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ الجاجے مسافر قبول ہو جائے

-خضر راہ: علامہ اقبال [276]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریا زم سیر
 تھی نظر جی راں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب

جیسے گوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطرب تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضوگر فتار طسم ہتھاب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیا خضر
جس کی بیرونی میں ہے مانند سحرنگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے حباب
دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
میں شہید جتنو تھایوں سخن گستہ ہوا
اے تری چشم جہاں میں پروہ طوفان آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خوش
کشیہ مسکین و جان پاک و دیواریتیم
علم موسمی بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد اودوش
زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خوش
ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
نوجواں اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب خضر

صغر انور دی

کیوں تجھ بہے مری صحر انور دی پر تجھ
یہ تنگا پوئے داماد زندگی کی ہے دلیل
اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نجت ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحل
ریت کے ٹیلے پر وہ آہو کابے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و سماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح
یانمایاں بام گردوں سے جبین جبریل
وہ سکوت شام صحر امیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں توزنجیری کشت و نخل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز سودا م زندگی
زندگی بر تراز اندیشہ سودا زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امر و زوفردا سے نہ ناپ
جا و داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
 سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
 زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
 جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
 بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
 اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنسیخ سے
 گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
 اس زیاں خانے میں تیراً امتحاں ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پنہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چنگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتتاب
 تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شنگیر کا بھیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
تاتراشی خواجہ از بر ہمن کافر تری
ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنواب قیصری
دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے مٹھے اثر خواب آوری
گرمی گھنٹا راعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
سرما یہ و محنت

بندہ مزدور کو جاکر مر اپیغام دے
حضر کا پیغام کیا ہے یہیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھاگیا سرمایہ دار حیله گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
ساحر الموطنے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اے شاخ بنا بت
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مر انداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
سکر کی لذت میں تو اٹو گیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انہنائے سادگی سے کھاگیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجپ سماں غال فل ترے دامن میں شبنم کب تک
نغمہ بیداری جمہور ہے سامان عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
توڑڈا لیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار

زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
کر مک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو
دنیاۓ اسلام

کیا سنا تا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
مجھ سے کچھ پنهان نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تسلیث کے فرزند میراث خلیل
خشش بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز
ہو گیا نند آب ارزان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں دانا راز
گفت روی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند
می نداني اول آں بنیاد راویراں کنند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کر دست غافل در گمر
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بھیا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس کنکتے سے اب تک بے خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تاختلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشایی نفعی را ز جلی ہشیار باش
اے گرفقار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تونے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موج مضر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جود دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
مسلم استی سینہ را ز آرزو آباد دار

ہر زمان پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[277]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیا یے دوں
ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسون
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرما یہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزال کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں بجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سمعی پیغم کی کرامت ہے کہ آج

صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قولی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تنخ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مردم مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پرده ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی ہے ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر ہوں چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے جعلی وہ مسح بے صلیب

نیست پنجبرو لیکن در بغل دار د کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیز رکود کھایا ہم نے پھر سیز رکا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر الپیس کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے دانائے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پرورد گار
کام تھا جن کا فقط لقدر یں و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شر مسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز

ہر قبہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشی ہورہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزانج روز گار
 چھائی آشقتہ ہو کرو سمعت افلک پر
 جس کونادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فرد اکی بیت کایا عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مرغزار و جو نیار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزبر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

[278]- لینن: علامہ اقبال

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینڈہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم منغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا ملیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں بکڑے ہوئے بندے
 تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنے سکے جس کو حکیموں کے مقالات
 جب تک میں جیا خیمہ افلک کے نیچے

کائنے کی طرح دل میں ہٹکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پر قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعناوی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہ ہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلas
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مردوت کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
مے خانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات

چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یا غازہ ہے یا ساغر و بینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

-نائج: علامہ اقبال [279]-

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
 قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جوزندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
 شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
 ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری
 خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
 یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
 یہاں توبات کرنے کو ترستی ہے زبان میری
 اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
 چین میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
 اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندیبوں نے
 چون والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فقاں میری
 ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
 سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری
 الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
 حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری
 مرارو نہیں رونا ہے یہ سارے گھستاں کا
 وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری
 دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
 زفیض دل طبیدن ہا خروش بے نفس دارم
 ریاض دہر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
 خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
 مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
 میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
 پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
 سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو رت ہوں

یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپنور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیکانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثریہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دنوں میں
رلاتا ہے تراظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت نیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
نشان بر گ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچین
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے

تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذراد کیجھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہوا اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مت جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چبن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کادی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
چھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے

رہا دل بستہ مھفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون مھفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیں نے
تعصب چھوڑنا داں دھر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرد میں باندھ رکھی ہے صدائیونے
صفائے دل کو کیا آراکش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اوناداں حتا تو نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیپا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندر کو اپنا خدا تو نے
کنوں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے خجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذرانظارہ ہی اے بوالہوں مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے شراس کا

یہ وہ بھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الفت فکر در مان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراسے نجع سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تفعیل آرزو رہنا
علانج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تافلک پر واڑ ہے میری
نقست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بورہ نہا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرورہ نہا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں

غلامی ہے اسیر امتیاز ما و تورہ نہا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے سا غر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجورہ نہا
نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خورہ نہا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبورہ نہا
محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خختہ کو بیدار قوموں نے

بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
 یہ دیرانہ نفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
 محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
 جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
 مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سزا ہو تو شمع انجمن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہرشے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
 اجڑا ہے تمیز ملت و آئین نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبال بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کوتہ رشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں جاموشی ادا کردم

- طالب علم: علامہ اقبال [281]-

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجود میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

- ذوق و شوق: علامہ اقبال [282]-

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دہ وجود
دل کے لیے ہزار سو دلیں ایک نگاہ کا زیان!
سرخ و کبود بد لیاں چھوڑ گیا ساحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیں دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوئی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں
آئی صدائے جبریل تیر ا مقام ہے مہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنی کا رگ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معز کہ وجود میں بدر و حسین بھی ہے عشق!

آئیے کائنات کا معنی دیریا ب تو!
لکھے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلو تیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلو تیان میکدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خارو خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائ صاحب ساز کا لہو!
فرصت کٹکش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر او جود الکتاب!
گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرا ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیرے اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجود بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گز شتہ روز و شب

مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخيّل بے رطب!
 تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشید
 عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہاء عجب!
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-رام:علامہ اقبال [283]-

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اوچا ہے باہم ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں بزراروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کوناز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا

پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

-نیاشوالہ: علامہ اقبال [284]-

سچ کہہ دول اے برہمن گر تو برانہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بہت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر کھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
پھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک و طن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
پچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹادیں
سوئی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آک نیاشوالہ اس دلیں میں بنادیں
دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتروہ میٹھے میٹھے
سارے چباریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [285]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

[286]- والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجبور ہے نہش و قمر مجبور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہ مو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روائ
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہنمن سامان اشک و آہ ہے

یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شب نم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جان تا ہوں آہ میں آلام انسانی کاراز
ہے نوازے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجی راں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیام کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاپا پاس نے کیا
عہد طفی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شو خی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم

بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میر انتظار
کون میر اخطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دنفر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہو ا تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نآشنا ^{صحیح} و مساروتا ہے وہ
تختم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خاتہ بُرنا و بیہر
آدمی ہے کس طسم دوش و فردامیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں

کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آراقلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قاٹے میں غیر فریاد دراکچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نا لہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبز کر دے گی انہیں باد بہار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیال کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوابالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے بیت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادافی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
خشم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے

کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فزائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسرده ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمد
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقت وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتانالہ ماتم نہیں
وقت زخم تبغ فرقت کا کوئی مر ہم نہیں
سر پہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیغم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایا
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکیباں سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے

جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشا نی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فقاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دل اسائی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسرداہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طائر کو سرمست نواکرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندگی سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہو ہر شام صح
 مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
 دام سینیمین تخلی ہے مر آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاؤں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے

سازگار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقہ افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھائج کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزان ہوترا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوترا
 آسمان تیری لحد پر شبم افشا نی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

[287]-**مرزا غالب**: علامہ اقبال

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخلیل کی رسائی تا کجا
 تھا سر اپارو ح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تخلیل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ دار
 زندگی مضمر ہے تیری شوخي تحریر میں
 تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر

محویرت ہے ثریار فعت پرواز پر
 شاہد مضموم قصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویسیر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
 لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ بین
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
 اے جہان آباداے گھوارہ علم وہ نہر
 ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پنهان کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-نماز: علامہ اقبال [288]-

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیکر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گر اس سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[289]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد دیکھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوہ بے پر دہ کو پر دہ میں چھپا دیکھ!
ایام جدائی کے ستم دیکھ بقاد دیکھ!
بیتاب نہ ہو مع رکہ یہیں ورجاد دیکھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گند افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آنکینہ ایام میں آج اپنی اداد دیکھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے تھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپید ترے بحر تھیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کر اثر آہ رساد دیکھ
خورشید جہاں تاب کی ضوتیرے شر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش یہیں کی جزاد دیکھ!
نالنده ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
تو پیر صنم خانہ اسرار ازل سے

محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کیجھ!

[290]- مارچ 1907: علامہ اقبال

زمانہ آیا ہے بے جا بی کا عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
گزر گیا ب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آب سیں گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خار زار ہو گا
سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنائے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اند کرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمیں میں
تو پیرے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شانخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا تو اس کا
ہزار موجودوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چین میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس د کھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا

جو ایک تھاے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
 کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہ گل ہیں
 تو غنچے کہنے لگے ہمارے چن کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروائی کو
 شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود پکھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹھانجھے مثال شرار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

[291]- مسجد قربطہ: علامہ اقبال

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ ر دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب صرفی کائنات

تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی روجس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق نقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن اسپیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطباً عشق سے تیرا وجود

عشق سر اپا دام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسو ز و سرو و سرو د
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سبود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مر اذوق و شوق
دل میں صلواۃ و درود لب پہ صلواۃ و درود
شو ق مری لے میں ہے شو ق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جبیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے بجوم نخل
تیرے در و بام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبرائیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذاؤں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل

اس کے زمانے عجیب اس کے فسane غریب

عہد کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل

ساتی اربابِ ذوق فارسِ میدانِ شوق

بادھ ہے اس کا رحیقِ تیغ ہے اس کی اصیل

مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لالہ

سایہِ شمشیر میں اس کی پنہ لالہ

تجھ سے ہوا آشکار بندہِ مومن کاراز

اس کے دونوں کی تمپش اس کی شبوں کا گداز

اس کا مقام بلند اس کا خیالِ عظیم

اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز

ہاتھ ہے اللہ کا بندہِ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کا رکشا کار ساز

خاکی و نوری نہاد بندہِ مولا صفات

ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصدِ جلیل

اس کی ادادِ فریب اس کی نگہ دل نواز

آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشمِ غزال

اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

بوجے یعنی آج بھی اس کی ہواں میں ہے

رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے

دیدہِ امحجم میں ہے تیری زمیں آسمان

آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے

عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں

دیکھ چکا لمنی شورشِ اصلاح دیں

جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتنی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زمدم گفتگو گرم دم جتو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک بازار
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں

جن کے اہو کے طفیل آج بھی ہیں انہیں
 خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جیں
 دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
 گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
 وادی کھسار میں غرق شفق ہے سحاب
 لعل بد خشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
 سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
 کشتمی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پر دہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
 پر دہ اٹھا دوں اگر چہرہ انکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ام کی حیات کنگش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش بیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-[292]- التجاۓ مسافر: علامہ اقبال

فرشتے پڑھتے بیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا

ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم

نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی

مسج و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی

بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام

دگر کشادہ جیں گل بہار توام

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل

ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو

چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے

شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں

کیا خدا نے نہ محتاج باغبان مجھ کو

فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں

تری دعا سے عطا ہو وہ نزد باب مجھ کو

مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے

کہ سمجھے منزل مقصود کاروائی مجھ کو

مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے

کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو

دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر

تری جناب سے ایسی ملے فناں مجھ کو

بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے

چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو

پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جیں

کیا جنہوں نے محبت کاراز داں مجھ کو
 وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
 رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گل رہے خندان
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجاء مسافر قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [293]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریا نرم سیر
 تھی نظر جیڑاں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
 موچ مضطرب تھی کہیں گھرائیوں میں مست خواب

رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
اجم کم ضوگر فتار طسم ماہتاب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیما خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر نگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جو یائے اسرار ازل
چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے جاب
دل میں یہ سن کر پاہنگامہ محشر ہوا
میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا
اے تری چشم جہاں میں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
کشیہ مسلکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موسیٰ بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
نوجوان اقوام نو دولت کے میں پیرا یہ پوش
گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
آگ ہے اولاد ابرا یتیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب خضر

صحرا نوری

کیوں تجھے ہے مری صحرا نوری پر تجھے
یہ تنگاپوئے دادم زندگی کی ہے دلیں
اے رہین خانہ تو نے وہ سماں دیکھانیں
گونجتی ہے جب فضاۓ دشت میں بانگ رحل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صبح
یانمایاں بام گردوں سے جبین جرنیل
وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز سودا م زندگی
زندگی بر تراز سودا وزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امر و زوف و فرد اسے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
ابنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
 جوئے شیر و تیشه و سنگ گراں ہے زندگی
 بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
 اور آزادی میں بحر بکر گراں ہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنسخیر سے
 گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
 اس زیاں خانے میں تیر امتحان ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چنگاری فروع جاؤ داں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
 تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صیفر
 رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
 یہ گھٹری محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آباتاؤں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك

سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا ملکوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موئی طسم سامری
 سرو ری زیب افقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد را رسوا مکن
 تاتر اشی خواجہ آز بر هسن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنوائے قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گفتار اعضاۓ مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلتاں سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مز دور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیدر گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوہ
ساحر الموط نے تجھ کو دیا برج حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا سے شاخ بات
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مر انداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
سکر کی لذت میں تو لٹو آگیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انہتائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجپے ساں غال ترے دامن میں شبم کب تک
نغمہ بیداری جہور ہے سامان عیش
قصہ تواب آور اسکندر و جم کب تک
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار
زخم گل کے واسطے تدبیر مر ہم کب تک
کر کم ناداں طواف شمع سے آزاد ہو

اپنی فطرت کے تخلی زار میں آباد ہو

دنیا نے اسلام

کیا سنا تا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان
مجھ سے کچھ پہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے متاثر کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سر اپانا تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگتاں سے پارس
وہ مے سر کش حرارت جس کی ہے مینا گدار
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
کلمڑے کلمڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہو گیا مند آب ارزان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتا نے راز
گفت روی ہر بنا نے کہنہ کا باداں کند
می ندا نی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں
حق ترا چشمے عطا کر دست غافل در گر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بھیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کا شغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گھر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑگیاد نیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تاختافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لاکھیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاستی خفی راز جلی ہشیار باش
اے گرفقار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تونے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جود دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
آز مودہ قتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[294]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیا کے دوں
ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
میں نے دھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسou
میں نے ناداروں کو سکھلا یا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا ابلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر گنوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سبود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سعیٰ پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملائکت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی

ورنه قوائی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تبغے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرہ مشیر

خیر ہے سلطانی بجہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شاس و خود نگر
کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جہوری نظام
چہرہ روشن اندر وہ چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تخلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار د کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز

مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر ابلیس کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تونے جب چاہا کیا ہر پر دگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے دانا کار

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط لقدیں و تسبیح و طواف

تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز

ہر قبہ نے کوہے اس کے جنوں سے تار تار
زانغ دشتی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چراغ

کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزانِ روزگار
 چھائی آشنا ہو کرو سعتِ افلاک پر
 جس کونا دانی سے ہم سمجھتے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فرد اکی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مر غزار و جو بیمار
 میرے آقا وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

[295]- لینن: علامہ اقبال

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینڈہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محرم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا ملکیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
 تو غالق اعصار و نگار ندہ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
 جب تک میں جیاخیمِ افلاک کے نیچے
 کانٹے کی طرح دل میں ہٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا

جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر مساوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلرات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعانی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہ ہے
سودا ایک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیٹے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطرنے کیامات
مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیران خرابات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گاسرما یہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

[296]- نانک: علامہ اقبال

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
 قدر پچانی نہ اپنے گوہریک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکار اس نے کیا جوز ندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
 شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
 ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

[297]- تصویر درد: علامہ اقبال

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں توبات کرنے کو ترسنی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چین والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغال میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
اللہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلتاں کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
زفیض دل طپیدن ہاخروش بے نفس دارم
ریاض دھر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش ساعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدوڑت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں

خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تر انتارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بھیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بر بادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے

دھر آکیا ہے بھلا عہد کہنی کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہوا اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مت جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن محظوظ فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
اہورو روکے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ جیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم پینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستی محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے

فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیں
تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنا تالہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرد میں باندھ رکھی ہے صدائیونے
صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اوناداں حناتوںے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا توںے
زبان سے گر کیا تو حید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا توںے

کنوں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا توںے
ہوس بالائے منبر ہے خجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رو اتا ہے شبتم کو
ذرانظر ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلو اتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی

یہ رفت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شنم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الفت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے نجت سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تخت آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تافک پرواہز ہے میری
نشست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بور رہنا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما و قور رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجور رہنا
نہ رہ اپنوں سے بے پرواہی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں اوپیگانہ خور رہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایاں نے مجھ کو مست بے جام و سبور رہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ دیرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
 جرس بھی کارروائی بھی راہبر بھی راہران بھی ہے
 مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا جس میں علاج گردش چرخ کھن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع الحسن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
 احجاز ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کوتہ رشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بجاموشی ادا کردم

- طالب علم: علامہ اقبال [298]-

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بھر کی موجودوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

- ذوق و شوق: علامہ اقبال [299]-

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں

چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پرداہ وجود
دل کے لیے ہزار سو دل ایک نگاہ کا زیان!
سرخ و کبوود لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ برنگ طیلماں!
گرد سے پاک ہے ہوابرگ نخلیں دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بھجی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں
آئی صدائے جربیل تیر امقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معزکہ وجود میں بدر و حسین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!

جلو تیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلو تیان میکیدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جتجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خارو خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائ صاحب ساز کا ہو!
فرصت کنگش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر او جود الکتاب!
گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجد بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جتجو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخيیل بے رطب!
تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا!

عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بجیلہ می برد، گاہ بزوری کشید
 عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب!
 عالم سوزوساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بھر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہو فراق!
 موج کی جتجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

[300]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اوچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شت
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کوناز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

سچ کہہ دول اے بر ہمن گر تو بانہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک و طلن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹادیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آاک نیاشوالہ اس دلیں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
 ہر صبح اٹھ کے گائیں منترو وہ میٹھے میٹھے
 سارے بچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکتی بھی شانتی بھی ہلگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی ملتی پریت میں ہے

اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درکنون

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

[303]- والدہ مر حومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے شمس و قمر مجور ہیں
انجم سیما ب پار فقار پر مجور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجور نمو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسبر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شب نم کی شادابی نہیں

آنکھ میری ماہی دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مرا حیراں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیغم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سنگدل شر مندہ ہے
موح دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواہ کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان نا توں
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شونخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اوچ گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا منتظر
کون میرا خطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرما
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرما
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا صبح و مسرا و تا ہے وہ
تحم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد ایں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت

دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گنتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قالے میں غیر فریاد دراپچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا پچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پر دہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلتاں میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نا لہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبز کر دے گی انہیں باد بہار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیا نظم کائنات
ہے اگر ارزائ تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہیں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیال کچھ اور ہے

جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جتبور رہتی نہ ہو
آہ سیما پر بیشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سر بہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤں ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
خشم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے

خود نمائی خود فزاں کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسر دہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشوفتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لادوا
زخم فرقہ وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتا نالہ ماتم نہیں
وقت زخم تبغ فرقہ کا کوئی مر ہم نہیں
سر پہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیغم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں رووال
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر ٹک آباد سے
آدمی تاب شکلیابی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فغال غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پر دہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صبح
 لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طاڑ کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندگی سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صبح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہوہر شام صبح
 مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح
 دام سیمین تخلیل ہے مر آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاوں سے فضا معمور ہے
 وہ فراکن کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جوالاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
 نور فطرت خلمت پیکر کا زندانی نہیں

تنگ ایسا حلقةِ افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا مجھ کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزان ہوتا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوتا
 آسمان تیری لحد پر ششم انشانی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

[304]-مرزا غالب: علامہ اقبال

فکر انسان پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخيّل کی رسائی تاکجا
 تھاسِ اپارو ح تو بزم سخن پکیر ترا
 زیبِ محفل بھی رہا محفل سے پنهان بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تخيّل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
 زندگی مضر ہے تیری شوخی تحریر میں
 تاب گویاں سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
 محوجیت ہے ثریارفت پرواز پر
 شاہدِ مضمون تصدق ہے ترے انداز پر

خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
 گلشن ویسیر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
 لطف گویائی میں تیری ہم سری مکن نہیں
 ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ بین
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
 اے جہان آباد اے گھوارہ علم و ہنر
 ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-نماز: علامہ اقبال [305]-

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

-روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال [306]-

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوہ بے پرداہ کو پرداہ میں چھپا دیکھ!
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ جناد کیجھ!
بیتاب نہ ہو معرکہ یہیم ورجاد کیجھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گند افلاؤک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوانیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آنکھیں ایام میں آج اپنی اداد کیجھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے تھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپید ترے بحر تھیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کراڑ آہ رساد کیجھ
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
بچت نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش چیم کی جزا دیکھ!
ناندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
تو پیر صنم خانہ اسرار ازل سے
محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کیجھ!

زمانہ آیا ہے بے جوابی کا عام دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا
 گزر گیا ب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہان مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیس گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
 سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
 جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
 نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
 کیا مر اند کرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
 تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منه پھٹ ہے خوار ہو گا
 دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکان نہیں ہے
 کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
 تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
 جو شاخ ناز کپ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
 سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توال کا
 ہزار موجوں کی ہو کشاکش گریہ دریا سے پار ہو گا
 چن میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
 یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
 جو ایک تھاۓ نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
 بھی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا

کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاپہ گلی ہیں
 تو غصے کہنے لگے ہمارے چین کا یہ رازدار ہو گا
 خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آب رو ہماری جو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
 شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹنائجھے مثال شر ار ہو گا
 ن پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

[308]- مسجد قربطہ: علامہ اقبال

سلسلہ روز و شب نقش گرداد ثاثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب سیرنی کائنات
 تو ہوا اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
 موت ہے تیری برات موت ہے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی روجس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خودا ک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مسی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق قیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطباً عشق سے تیر اوجود
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت

مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرود
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش محلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے پسہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سبود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود
شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحراء میں ہو جیسے ہجوم خیل
تیرے درو بام پر وادی ایمن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرکلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل

ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھے ہے اس کا رحیق تنغ ہے اس کی اصلی
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کار آفریں کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مو لاصفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی اداد فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ اجمیں میں ہے تیری زمین آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا المني شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت

اور ہوئی فکر کی کشتنی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ پھل انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت رومنی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جواں
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گفتگو گرم دم جتجو
رزم ہو یا زم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و محار
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندر لیسوں کی زمیں
ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے اہو کے طفیل آج بھی ہیں اندر لی
خوش دل و گرم احتلاط سادہ و روشن جبیں

دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
 گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
 وادی کھسار میں غرق شفق ہے سحاب
 لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
 سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پر دہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے جا ب
 پر دہ اٹھادوں اگر چیزہ افکار سے
 لانہ سکے گافرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ام کی حیات کنکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-[309]- التجاء مسافر: علامہ اقبال

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جانب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسج و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
دگر کشادہ جینم گل بہار توام
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگرانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیک مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کاروں اس مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دولوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فناں مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جیں
کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی

رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
 نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
 بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گل رہے خندان
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جاں جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [310]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریازم سیر
 تھی نظر جی راں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
 موج مضطرب تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب
 رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
 انجم کم ضو گرفتار طسم ماہتاب

دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیا خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جو یائے اسرار ازال
چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے جا ب
دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
میں شہید جستجو تھا یوں سخن گسترش
اے تری چشم جہاں بیں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خوش
کشیہ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موسیٰ بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد اودوش
زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
ہورہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
نوجاں اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
یچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے
جواب خضر
صحر انور دی

کیوں تعجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے
یہ تگاپوئے دماد م زندگی کی ہے دلیل
اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رہیں
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و سماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح
یانمایاں بام گردوں سے جبین جبر نیل
وہ سکوت شام صحر امیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
زندگی بر تراز اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیانہ امر و زوف فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
 اور آزادی میں بھر بیکرال ہے زندگی
 آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنجیر سے
 گرچاک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
 قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
 اس زیاں خانے میں تیر امتحان ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چنگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثل آفتتاب
 تابد خشائ پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجھ صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا مخوم اگر

پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقہ گردن میں سازدلبی
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
 سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوامکن
 تاتراشی خواجہ از بر ہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنوائے قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گفتار اعضاۓ مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیان سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ یہاں کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات

دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
ساحر الموطنے تجوہ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مرانا داں خیالی دیوبتاوں کے لیے
سکر کی لذت میں توٹو گیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انہتائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنجہ ساں غال ترے دامن میں شبنم کب تک
لغہ بیداری جمہور ہے سامان عیش
قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
آفتاب تازہ پیدا بطن لیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار
زخم گل کے واسطے تدبیر مر ہم کب تک
کرمک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

دنیاۓ اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
مجھے سے کچھ پہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تسلیت کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
کلڈے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاڑ
ہو گیا مند آب ارزائ مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتا نے راز
گفت رومی ہر بناۓ کہنہ کا باداں کند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق ترا چشمے عطا کر دست غافل در گمر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شغر

جو کرے گا اتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا
 ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
 نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
 اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر
 تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
 لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
 اے کہ نشاستی خفی راز جلی ہشیار باش
 اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
 عشق کو فرید لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر فرید کی تاثیر دیکھ
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیدا دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈلی سی اک تصویر دیکھ
 آز مودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ
 مسلم اسی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیا نے دوں
ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
اس کی بربادی پر آج آمادہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
میں نے ناداروں کو سکھلا یا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سبود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سمعی پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قولی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا

کند ہو کر رہ گئی مومن کی تغیرے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام
دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کار و بار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر ہوں چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تخلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دکتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد

توڑدی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طلب

چوتھا مشیر

توڑاں کارومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیز رکود کھایا ہم نے پھر سیز رکا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنور گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر الیں کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تونے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہاں سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے دانائے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زانغ دشی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چراغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزانج روز گار
چھائی آشنا ہو کرو سمعت افلاک پر

جس کونا دل سے ہم سمجھتے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فردا کی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مرغ، ارو جو سوار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزیر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-لینن: علامہ اقبال [312]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینڈہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 محروم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا لیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
 تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقابلات
 جب تک میں جیاخیمہ افلاک کے نیچے
 کانٹے کی طرح دل میں ہلکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
 جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد

وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرگی
مغرب کے خداوند رخشنده فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعانی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہ ہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مغاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلas
کیا کم ہیں فرگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مردود کو کچل دیتے ہیں آلات
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطرنے کیامات
مے خانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیران خرابات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
یاغاڑہ ہے یاسا غروہ بینا کی کرامات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گاسر ما یہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

[313]-ناںک: علامہ اقبال

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
قدر پیچانی نہ اپنے گوہ ریک دانہ کی
آہ بدقسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکارا س نے کیا جوز ندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شعح حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
دردانسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شعح گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صد التوحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

[314]-تصویر درد: علامہ اقبال

نبیں منت کش تاب شنیدن داستان میری

خوشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیا تیری محفل میں
یہاں توبات کرنے کو ترسنی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
چجن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طویلوں نے عندیبوں نے
چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فقاں میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حضرت بھری ہے داستان میری
الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاؤ داں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گستاخان کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
دریں حضرت سر اعمربیست افسون جرس دارم
زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دہر میں نا آشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری گبڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویا یائی
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو روت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپا نور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں

نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تراظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیارونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلک ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلپیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بھلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظینہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر

ز میں پر تو ہو اور تیر کی صد اہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
مہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
لہور روکے محفل کو گلتاں کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چجن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسائ کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستی محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیں

تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویر یہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گردہ میں پاندھر کھی ہے صدا تو نے
صفائے دل کو کیا آراکش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اوناداں حتا تو نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھام قید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوزا پنی چشم پر نم کو
جو تڑپتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذرانظر ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جنم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفتہ کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درماں میں

یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراسے نج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح قیخ آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تافک پرواز ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بورہ نہا
تھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا

یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجور رہنا
نہ رہا پنوں سے بے پرواںی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خورہ نہا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور رہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفایا رقوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خختہ کو بیدار قوموں نے
بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ دیرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزرن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
 چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
 جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجم بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے سقوں بھی کوہ کن بھی ہے
 اجڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر و طن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تہ رشته معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بجاموشی ادا کردم

- طالب علم: علامہ اقبال [315]-

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجودوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

- ذوق و شوق: علامہ اقبال [316]-

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سامان
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
 حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دہ وجود

دل کے لیے ہر ارسودا ایک نگاہ کازیاں!
سرخ و کبو بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ بر نگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا بر گ نخل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارداں
آئی صدائے جریل تیر ا مقام ہے بھی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے بیاں
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنے ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کا رگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ ججاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معرکہ وجود میں بدر و حین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکدہ کم طلب و تھی کدو!

میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جتجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خارو خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روائی صاحب ساز کا ہو!
فرصت کنکش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوجود الکتاب!
گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بایزید تیرے اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا بجود بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پاگے
عقل، غیاب و جتجو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخیل بے رطب!
تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
گاہ بجیلے می برد، گاہ بزوری کشد

عشق کی ابتداء جب عشق کی انتہا جب!
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جور ہی میری نگاہ بے ادب!
 گرم آرزو فراق! شورش ہائے وہو فراق!
 مونج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-رام:علامہ اقبال [317]-

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کونا ز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے بھی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

-نیاشوالہ:علامہ اقبال [318]-

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برانہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 شنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فمانے
 پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دولی مٹادیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیا شوالہ اس دلیں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اونجھا ہوا پنا تیر تھے
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
 ہر صبح اٹھ کے گائیں منڑوہ میٹھے میٹھے
 سارے پچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکنی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [319]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

-[320]- والدہ مر حومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندائی تقدیر ہے
پر دہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجبور ہے نہش و قمر مجبور ہیں
انجم سیما ب پار فتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہ مو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبکم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز

ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجی را نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیام کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سنگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہ بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میر اخطلنا آنے سے رہے گا بے قرار

خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپادیں و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفلک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نآشنا چھج و مساروتا ہے وہ
تخم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طلسہ دوش و فردامیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نسیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرائیلز خاموش میں

ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قالے میں غیر فریاد دراکچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نا لہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبر کر دے گی انہیں باد بہار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مست سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے چینے میں خل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہیں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیال کچھ اور ہے
جن ت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب

موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے بیست تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سور
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعله یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
چم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فرزائی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسر دہ ہو سکتا نہیں

خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفۃ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمد
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مر نے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صحیح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوس سے تحتمتانا لہ ما تم نہیں
وقت زخم تبغ فرقہ کا کوئی مرہم نہیں
سرپہ آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیہم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایاں
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر ٹنک آباد سے
آدمی تاب شکلیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشا نی سے ہے
سردیہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے

آہ یہ ضبط فعال غفلت کی خاموشی نہیں
آگھی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طائر کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندگی سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہوہر شام صح
 مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
 دام سیمین تختیل ہے مر آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاوں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہاں بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر

خوب تر تھا سچ کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزان ہوترا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوترا
 آسمان تیری لحد پر شبتم افشاںی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

[321]- علامہ اقبال: مرزاغالب:-

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخيّل کی رسائی تاکجا
 تھاسرا پاروح تو بزم سخن پیکر ترا
 زیب محفل بھی رہا محفل سے پنهان بھی رہا
 دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
 بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
 محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
 جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
 تیرے فردوس تخيّل سے ہے قدرت کی بہار
 تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ دار
 زندگی مضر ہے تیری شوخی تحریر میں
 تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
 نطق کو سونازیں تیرے لب اعجاز پر
 محوجرت ہے ثریارفت پرواز پر
 شاہد مضمون تصدق ہے ترے انداز پر
 خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
 آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے

گاشن ویہر میں تیرا ہم نو اخوابیدہ ہے
 لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
 ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ کلتہ میں
 گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزائی پروانہ ہے
 اے جہان آباد اے گھوارہ علم وہنر
 ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-نماز: علامہ اقبال [322]-

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

-روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال [323]-

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد دیکھ!
 مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو زراد دیکھ!

اس جلوہ بے پرده کو پرده میں چھپا دیکھ!
 ایامِ جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ!
 بیتاب نہ ہو معركہ یہم و رجاد دیکھ!
 ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
 یہ گنبد افلک یہ خاموش فضائیں
 یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
 تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
 آئئیں ایام میں آج اپنی اداد دیکھ!
 سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
 دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
 ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیرِ خودی کراذر آہ رساد دیکھ
 خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش یہم کی جزاد دیکھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
 تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
 تو پیرِ صنم خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
 ہے راکبِ تقدیر جہاں تیری رضاد دیکھ!

زمانہ آیا ہے بے جا بی کا عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پر دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آب میں گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
سنادیا گوش منتظر کو ججاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحر ایسوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحر اسے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدیسوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمیں میں
تو پیرے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکان نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خجڑ سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپاسیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا تو اں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چین میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
جو ایک تھاۓ نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہو گا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہ گل ہیں
تو غنچے کہنے لگے ہمارے چین کا یہ رازدار ہو گا

خدا کے عاشق تو ہیں ہر اروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
 میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
 یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنہیں نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کاروں کو
 شر رفتاں ہو گی آہ میری نفس مر اشعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹناتجھے مثال شر ار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قربطہ: علامہ اقبال-[325]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ ریورنگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب صرفی کائنات
 تو ہوا گر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
 موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
 تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات

آنی و فانی تمام مججزہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کولیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کلام
عشق کی مسی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے این السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطباً عشق سے تیراً وجود
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مججزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل

خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرود
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کنشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے پہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلاوة درود لب پے صلاوة درود
شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نَمَّةُ اللَّهِ هُوَ مِيرَ رَغْ وَ پَے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جیل تو بھی جلیل و جیل
تیری بنایا نیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخلیل
تیرے دروبام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سلتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساتی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل

مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دونوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرو را اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امید میں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دل میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی پین دل نشیں
بوعے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ ججاز آج بھی اس کی نواوں میں ہے
دیدہ انجمن میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلة سخت جاں
دیکھ چکا لمحی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتمی نازک رووال
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب

جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روئی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباس
نرم دم گفتگو گرم دم جتنو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندریوں کی زمیں
ہے تھے گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ میں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندری
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچلتا ہے کیا
گند بنیو فری رنگ بدلتا ہے کیا

وادی کہ سارے میں غرق شفتہ ہے سحاب
 لعل بد خشائش کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب
 سادہ و پرسوز ہے دختر دہقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پر دہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
 پر دہ اٹھاؤں اگر چہرہ افکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح امم کی حیات کشمکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-[326]-
التجاء مسافر: علامہ اقبال

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسج و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
بڑی ہے شانِ بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہِ دلم داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جیں گل بہار توام
چن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
ہوا ہے صبر کا منظورِ اختیال مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شرابِ علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاجِ باغبان مجھ کو
فلکِ نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدِ بمال مجھ کو
مقامِ ہم سفروں سے ہوا سقدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کاروائی مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغالِ مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جیں
کیا جنہوں نے محبت کا رازِ دال مجھ کو
وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستانِ مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی

بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
 دعا یہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
 کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
 ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہواۓ عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گل رہے خندال
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جان جاں مجھ کو
 شلگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [327]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزایہوا آسودہ دریازم سیر
 تھی نظر جبرال کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفل شیر خوار
 موچ مضطرب تھی کہیں گھر ایسوں میں مست خواب
 رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
 انجم کم ضوگر فتار طسم ماہتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیما حضر
 جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب

کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاے اسرار ازل
 چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے حباب
 دل میں یہ سن کر بپاہنگا مامہ محشر ہوا
 میں شہید جتبجو تھا یوں سخن گستر ہوا
 اے تری چشم جہاں میں پروہ طوفاں آشکار
 جن کے ہنگا مے ابھی دریا میں سوتے ہیں خوش
 کشیہ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
 علم موئی بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
 زندگی کا راز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤ نوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابرا یتیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے
 جواب خضر
 صحر انور دی

کیوں تجھب ہے مری صحر انور دی پر تجھے
 یہ تگاپوئے دادم زندگی کی ہے دلیل

اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گو نجت ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح
یانمایاں بام گردوں سے جین جبریل
وہ سکوت شام صحرائیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں توزنجیری کشت و نخل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز سودا م زندگی
زندگی بر تراز سودا وزیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندیشہ سودا وزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امر و زوف فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بکراں ہے زندگی

آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنسیر سے
گرچہ اک مٹی کے پکیر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پکیر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
تایہ چنگاری فروغ جادوال پیدا کرے
خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
تا بد خشائی پھروہی لعل گراں پیدا کرے
سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا محاکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز

دیکھتی ہے حلقہ گردن میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
 سروری زیب افقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حمراء ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سو امکن
 تاتراشی خواجہ از بر ہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنوابے قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گفتار اعضاۓ مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مرد پیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ

ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
 اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات
 نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
 خواجی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مر اناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں توٹوا کیا نقد حیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
 انہتائے سادگی سے کھا گیا مز دورمات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ سماں غافل ترے دامن میں شب نم کب تک
 نغمہ بیداری جہور ہے سماں عیش
 قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن لگتی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑا لیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بھار
 زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
 کر کے ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی نظرت کے جلی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستان

مجھ سے کچھ پہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے مثنیت کے فرزند میراث خلیل
خشش بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز
ہو گیا مند آب ارز ان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادول نہیں داتا نے راز
گفت روی ہر بنائے کہنہ کا باداں کند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراجشمے عطا کر دست غافل در گر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے نکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس کلتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شغیر
جو کرے گا اتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر

نسل اگر مسلم کی نہب پر مقدم ہو گئی
 اڑ گیا دنیا سے تو ماند خاک رہ گزر
 تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
 لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
 اے کہ نشاسی خفی راز جلی ہشیار باش
 اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
 عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
 موج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جود دیکھا تھا خواب اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستہ سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آز مودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سیعہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخلف المیعاد دار

-[328]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس
 یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیا کے دوں

ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
 اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
 میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیں کا سوز دروں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
 پختہ تراس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
 ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود
 ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
 آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
 ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
 یہ ہماری سمیٰ چیز کی کرامت ہے کہ آج
 صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
 طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
 ورنہ قوائی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
 ہے طواف و نجح کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
 کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام
 کس کی نومیدی پہ جھٹ ہے یہ فرمان جدید

ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرامشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کار و بار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر دوں چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے جعلی وہ مسح بے صلیب
نیست پغیبر و لیکن در بغل دار د کتاب
کیا تاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کارومنہ اکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیز رکود کھایا ہم نے پھر سیز رکا خواب
کون بحر روم کی موجودی سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صوبہ رگاہ نالد چوں رباب

تیرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر ابلیس کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تونے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے دانائے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محروم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زاغ دشتی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزان روز گار
چھائی آشنا ہو کرو سمعت افلاک پر
جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
فتنه فرد اکی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج

کا پتے ہیں کوہ سار و مر غزار و جو بمار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزیر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-لینن: علامہ اقبال [329]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائیدہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
 حرم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
 بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
 ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
 تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
 اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
 جب تک میں جیا خیمہ افلاک کے نیچے
 کانٹے کی طرح دل میں ہٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
 جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
 وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
 مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی

مغرب کے خداوندر خشندہ فلورات
یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ جیواں ہے یہ ظلمات
رعانی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہ ہے
سودا ایک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں لاہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلas
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حداں کے کمالات کی ہے بر ق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
آنثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
یاغا زہ ہے یا سا غزوہ بینا کی کرامات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روز مكافات

-نائک: علامہ اقبال [330]-

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا بروانہ کی
قدر پچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکاراں نے کیا جوز ندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شعح سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
بر ہمن سرشار ہے اب تک مئے بندار میں
شعح گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
بتندہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

-تصویر درد: علامہ اقبال [331]-

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
خموشی گفتوں ہے بے زبانی ہے زبان میری
یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں

یہاں توبات کرنے کو ترس تھی ہے زبان میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فقاں میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
اہلی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاؤ داں میری نہ مر گ ناگہاں میری
مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گفتاں کا
وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری
دریں حسرت سر اعم ریست افسون جرس دارم
زفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دہر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویائی
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو روت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپا نور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں

نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیکا نہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار فگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طاری ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثریہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تراظر اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلک ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلپیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وغلیفہ جان کر پڑھتے ہیں طاری بوتانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بر بادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھر اکیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو

تمہاری دستاں تک بھی نہ ہو گی دستاںوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامز من محظوظ فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہنائ کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہنائ سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دنوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہنائ چشم پینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پتی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائوں نے
تعصباً چھوڑ نا داں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے

سر اپنا لہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدائونے
صفائے دل کو کیا آراکش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اوناداں جتنا تو نے
زمیں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلپا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذرانظر ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تھسب ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل لک بھی
یہ رفت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الفت قدر ماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے

ذرست نج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تخف آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا

شراب بے خودی سے تافک پرواز ہے میری
نشست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بورہ نہا
تھجے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں

غلامی ہے اسیر امتیاز ما و قور رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجور رہنا

نہ رہا پنوں سے بے پرواٹی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خور رہنا

شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور رہنا

محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خختہ کو بیدار قوموں نے

بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے

جلانا دل کا ہے گویا سر پا نور ہو جانا
 یہ پروانہ جو سواں ہو تو شمعِ الحجن بھی ہے
 وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
 اجڑا ہے تیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کوتہ رشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بجموشی ادا کردم

[332]- طالب علم: علامہ اقبال

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجودوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

[333]- ذوق و شوق: علامہ اقبال

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صحیح کامیاب
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
 حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دہ وجود
 دل کے لیے ہزار سو دا یک نگاہ کا زیان!
 سرخ و کبو بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!

کوہ اضم کو دے گیارنگ برنگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں
آئی صدائے جریل تیر ا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنے ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے بجھی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اویں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معزکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکیدہ کم طلب و تھی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سر گزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!

باد صبا کی موج سے نشوونمائے خارو خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روای صاحب ساز کا ہو!
فرصت کنگاش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوجود الکتاب!
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرا ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سخرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بازید تیر اجمال بے نقاب!
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سجود بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جتنجو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تھیل بے رطب!
تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
گاہ بجیلہ می برد، گاہ بزوری کشید
عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہاء عجب!
عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق

وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جور ہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

[334]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفتہ میں آسمان سے بھی اوچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کوناڑ
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

[335]- نیاشوالہ: علامہ اقبال

سچ کہہ دول اے بر ہمن گرتور انہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے

اپنوں سے بیکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مور توں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک و طن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقشِ دولی مٹا دیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیا شوالہ اس دل میں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا ٹکس ملادیں
 ہر صبح اٹھ کے گائیں منتروہ میٹھے میٹھے
 سارے پچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [336]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنون

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

-[337]- والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پر دہ مجوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجور ہے نہش و قمر مجور ہیں
اجنم سیما ب پار فتار پر مجور ہیں
ہے شکست انجام غنچہ کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجور نہ مو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شنپم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کاراز
ہے نوابے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیر گنگی دوراں نہیں

دل مرا حیراں نہیں خنده نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقل سگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
جیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پابہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خطنه آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعاۓ نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا

تریت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دن تھستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپادین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے ن آشنا ٹھیج و مساروتا ہے وہ
تختم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بوگئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد امیں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائی ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرائیلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آنغوш میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے

زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قالے میں غیر فریاد دراپچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پردہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نا لہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبر کر دے گی انہیں باد بہار جاؤ داں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظم کائنات
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ

پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجمن گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاؤک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
خشم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فزاںی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسر دہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ

موت سے گویا قبئے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے

خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خون گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا

زخم فرقہ وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقوں زنجیر صح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوس سے تھتنا نالہ ماتم نہیں

وقت زخم تبغ فرقہ کا کوئی مر ہم نہیں
سر پر آجائی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیام دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایاں
ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے

خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکلیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں

آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردیہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فغاں غفلت کی خاموشی نہیں

آگ گئی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں

پر دہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طائر کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندگی سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نعمتوں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہوہر شام صح
 مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجم صح
 دام سینین تخلی ہے مرا آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشام معمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاؤں سے فضام معمور ہے
 وہ فرانٹ کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی بیس لاکھوں جہاں بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جو لال گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا چشم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوتا

نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوتا
آسمان تیری لحد پر شبتم افشا نی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

-مرزا غالب: علامہ اقبال [338]-

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغ تجھیل کی رسائی تا کجا
تھا سراپا روح تو بزم سخن پیکر ترا
زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستور ہے
محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
تیرے فردوس تجھیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں
تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محوجیرت ہے ثریار فعت پرواز پر
شادہ مضمون قصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویبر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
اطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں

ہو تخلیل کا نہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
 ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
 آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ بیں
 گیسوئے اردو ابھی منت پزیر شانہ ہے
 شمع یہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
 اے جہان آباد اے گھوارہ علم وہ سر
 ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
 ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
 یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
 دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
 تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

-نماز: علامہ اقبال [339]-

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
 اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات
 یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
 ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

-روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال [340]-

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیجھ!
 مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
 اس جلوہ بے پرداہ کو پرداہ میں چھپا دیکھ!
 ایام جدائی کے ستم دیکھ جناد کیجھ!

بیتاب نہ ہو معرکہ نہ یہم و رجاد کیجھ!
 ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
 یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
 یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوا نہیں
 تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
 آئینہ ایام میں آج لپنی اداد کیجھ!
 سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
 دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
 ناپید ترے بحر تھیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیر خودی کراٹ آہ رساد کیجھ
 خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش یہم کی جزا د کیجھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
 تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
 تو پیر صنم خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کیجھ!

-[341]- مارچ 1907: علامہ اقبال

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہو گا

سکوت تھا پر دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا
گزر گیا ب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آب سیں گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارز ار ہو گا
سنادیا گو ش منظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحر ایسوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحر اسے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنائے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اندکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منه پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھڑا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چمن میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس د کھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں د کھایا
بھی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کے اعتبار ہو گا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہ گل ہیں
تو غچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ رازدار ہو گا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
 رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
 میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
 شر رفتاش ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹھانجھے مثال شرار ہو گا
 نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزر بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قربطہ: علامہ اقبال [342]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فخار
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب صرفی کائنات
 تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
 موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
 تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نراث
 آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
 کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات

اول و آخر فنا بطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثابت دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خودا ک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق نقیبہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن اسیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطبه عشق سے تیر او جود
عشق سر اپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرو و د
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز

تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلی سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مراذوق و شوق
دل میں صلاوة و درود لب پہ صلاوة و درود
شوq مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جبیل تو بھی جلیل و جبیل
تیری بنیا نیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے بجوم نخل
تیرے درو بام پر وادی ایکن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحلیل
ساتی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تبغ ہے اس کی اصل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ

تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امید یہ قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی اداول فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دل میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ احمد میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذاء
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلة سخت جاں
دیکھ چکا المني شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک روائ
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روئی نژاد کہنہ پرستی سے پیر

لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زمدم گفتگو گرم دم جتو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کارحت مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتب اندلسیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرداراہ بیں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم انتلاط سادہ و روشن جیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

سادہ و پر سوز ہے دختر دھقاں کا گیت
 کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
 آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
 عالم نو ہے ابھی پرداہ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
 پرداہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے
 لانہ سکے گا فرنگ میری نواوں کی تاب
 جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
 روح ام کی حیات کنگمش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-التجاء مسافر: علامہ اقبال [343]-

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسیح و خضر سے او نچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
 بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا

اگر سیاہ دم داغ لالہ زار توام
دگر کشاہ جبینم گل بھار توام
چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
کیا خدا نے محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیک مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں تدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کاروں داں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہونزیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغال مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خارو خس میں نے
چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کاراز داں مجھ کو
وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعایہ کر کہ خداوند آسمان وز میں

کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
 وہ میر ایوسف ثانی وہ شمعِ محفلِ عشق
 ہوئی ہے جس کی انخوٹ قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاضِ دہر میں مانندِ گل رہے خداں
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

[344]-**حضرت راہ: علامہ اقبال**

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب
 شبِ سکوتِ افزا ہوا آسودہ دریا نرم سیر
 تھی نظرِ حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفلِ شیرِ خوار
 موںِ مضطرب تھی کہیں گھر ائیوں میں مستِ خواب
 رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
 انجمِ کمِ ضوگر فقارِ طسمِ ماہتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیا خضر
 جس کی پیری میں ہے مانندِ سحرِ رنگِ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرارِ ازل
 چشمِ دل واہو تو ہے تقدیرِ عالم بے جاب

دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
 میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا
 اے تری چشمِ جہاں میں پروہ طوفاں آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشیہِ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
 علمِ موئی بھی ہے ترے سامنے حیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد او دوش
 زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیر ایہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب خضر

صغر انور دی

کیوں تعجب ہے مری صحر انور دی پر تجھے
 یہ تنگا پوئے دادا م زندگی کی ہے دلیل
 اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
 گو نجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحل

ریت کے ٹیلے پہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیما ب پاہنگام صح
یانمایاں ہام گردوں سے جین جبر نیل
وہ سکوت شام صحرائیں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسلیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز سودا م زندگی
زندگی بر تراز سودا م زیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندر یتھے سودا م زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیانہ امر و زو فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بھر بکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنجیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

قلمزم ہستی سے تو ابھر اہے مانند حباب
 اس زیاں خانے میں تیر امتحان ہے زندگی
 خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
 پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنبھار تو
 ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
 پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
 پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
 اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چنگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
 تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے راز داں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آباتاول تجھ کو رمز آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں

توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری
 سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمرال ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاتراشی خواجه از برہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنوابے قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزرے میٹھے اثرخواب آوری
 گرمی گھنٹاراعضائے مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
 ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
 اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات

نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
 خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مرانا داں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تو لٹو اگیان قدحیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
 انہی سادگی سے کھا گیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچے ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جہور ہے سامان عیش
 قصہ خواب آور اسکندر و حجم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑوں میں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار
 رخم گل کے واسطے تمیر مرہم کب تک
 کرک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے تثیث کے فرزند میراث خلیل

خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسوازمانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سر اپاناز تھے ہیں آج مجبور نیاز
لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
کملٹے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہو گیا مند آب ارزان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتائے راز
گفت روی ہر بناۓ کہہ نہ کا باداں کند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشے عطا کر دست غافل در گمر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بجاک کا شغیر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خنوں مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو ماند خاک رہ گزر

تا خلافت کی بنادیا میں ہو پھر استوار
 لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
 اے کہ نشاسی نغمی راز جلی ہشیار باش
 اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
 عشق کو فرید لازم تھی سودہ بھی ہو چکی
 اب ذرا دل تھام کر فرید کی تاثیر دیکھ
 تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
 موں مضر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہاں پیدا یکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آز مودہ قتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[345]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس
 یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیاۓ دوں
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمباوں کا خوب
 اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز

جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف دنوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہوا بلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر گلوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محاکم ہے یہ ابیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سبود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سعیٰ پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنه قوائی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تنخ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرा مشیر

خیر ہے سلطانی بجہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بنی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبار شہر یاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطان غیر کی کھتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جہوری نظام
چہرہ روشن اندر رون چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تخلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار کتاب
کیا تاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑاں کا رومتہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیز رکود کھایا ہم نے پھر سیز رکا خواب

کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیر امشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر امیں کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
ابلہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ حرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیم و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زانغ دشمنی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چراغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روز گار
چھاگئی آشفۃ ہو کرو سمعت افلک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
فتنه فردا کی بیبیت کایہ عالم ہے کہ آج
کا پنچتے ہیں کوہ سار و مرغ، ارو جو بیمار
میرے آقا وہ جہاں زیر وزیر ہونے کو ہے

جس جہاں کا ہے فقط تیر کی سیادت پر مدار

-لینن: علامہ اقبال [346]-

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینڈہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرو دا زی سے
بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو غالق اعصار و نگار ندہ آنات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیاخیمہ افلاک کے نیچے
کائنٹ کی طرح دل میں کھلکھلتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معمود
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند درخشنده فلزات
یورپ میں بہت روشنی علم و هنر ہے

حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیوال ہے یہ ظلمات
 رعنائی تعمیر میں رونق میں صفائیں
 گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بلکوں کی عمارت
 ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
 سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
 یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
 پیٹے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
 بے کاری و عربیانی و مے خواری و افلاس
 کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
 وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
 حداس کے کمالات کی ہے بر ق و بخارات
 ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
 احساس مردوت کو کچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطرنے کیامات
 مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں بیران خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یا غازہ ہے یا ساغر و بینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مكافات

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
 قدر پچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جوز نندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
 شمع گو تم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر انھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
 ہند کو اک مرد کامل نے جگایا نواب سے

- تصویر درد: علامہ اقبال [348]-

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
 خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
 یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
 یہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
 اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے

چجن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
اڑالی قربیوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغان میری
ٹپک اے شمع آنسوبن کے پروانے کی آنکھوں سے
سر اپادردھوں حضرت بھری ہے داستان میری
الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری
مرا ونا نہیں رونا ہے یہ سارے گستاخ کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
دریں حضرت سر اعمريست افسون جرس دارم
زفیض دل طبیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دھر میں نآشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روئی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روئی ہے گویا
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش ساعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو رت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیکانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں

مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نکیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طاری ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے ترا نظرہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیار و ناجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلک ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طاری بوستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذراد کیجھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے

جو ہے راہ عمل میں گامز ن محظوظ فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
اہورا روکے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پردوں میں پہاں چشم پینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفتہ کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستیہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیں
تعصب چھوڑنا داں دھر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرد میں باندھ رکھی ہے صدائوں نے

صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اوناداں حنا تو نے
ز میں کیا آسمان بھی تیری کج بنی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلپا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جودیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھام قید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھاواہ حسن عالم سوزا پنی چشم پر نم کو
جو ترپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبم کو
ذرانظر ہی اے بواہوں مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے شراس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
نہ اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفتہ کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درمان میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا پنے مر ہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذراسے نیچ سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تیخ آرزو رہنا

علاجِ زخم ہے آزاد احسان رفورہنا
شراب بے خودی سے تافک پرواز ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بورہنا
تھمے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضورہنا
بنا میں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرورہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجورہنا
نہ رہا پنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں اویگانہ خورہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبورہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفایہار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہبرن بھی ہے
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
 یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستوں بھی کوہ کن بھی ہے
 اجڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
 مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکرو طن بھی ہے
 سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
 زبان بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
 نمیگر دید کو تدرشیہ معنی رہا کردم
 حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

[- طالب علم: علامہ اقبال [349]-]

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
 کہ تیرے بحر کی موجودوں میں اضطراب نہیں
 تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
 کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

[- ذوق و شوق: علامہ اقبال [350]-]

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
 چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
 حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دُہ وجود
 دل کے لیے ہزار سو دا یک نگاہ کا زیان!
 سرخ و کبو بد لیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
 کوہ اضم کو دے گیارنگ برنگ طیساں!
 گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیں دھل گئے

ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بھجی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں
آئی صدائے جبریل تیر ا مقام ہے یہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے منے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کا رگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دارا بھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معزکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریاب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکیدہ کم طلب و تھی کدوا!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
باد صبا کی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!

خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پر دروش
ہے رگ ساز میں روائ صاحب ساز کا لہو!
فرصت کنکش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوج دال کتاب!
گنبد آنکینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و غاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
شوکت سنجرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
فقر جنید و بازید تیر اجمال بے نقاب!
شقق ترا آگ کرنے ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حباب! میرا سبود بھی حباب!
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جتبو! عشق، حضور و اضطراب!
تیرہوتا رہے جہاں گردش آفتاب سے!
طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حباب سے!
تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخيیل بے رطب!
تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
گاہ بجیلے می برد، گاہ بزوری کشد
عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب!
عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا

گرچہ بہانہ جور ہی میری ٹوکاہ بے ادب!
 گرمی آزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جتجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

[351]- رام: علامہ اقبال

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جام ہند
 سب فلسفی ہیں خطہِ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکرِ فلکِ رس کا ہے اثر
 رفتت میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیل میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کوناڑ
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا

[352]- نیاشوالہ: علامہ اقبال

سچ کہہ دول اے بر ہمن گرتوب رانہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

تگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک و طن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقشِ دولی مٹا دیں
 سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیا شوالہ اس دلیں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اونچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
 ہر صبح اٹھ کے گائیں منترو وہ میٹھے میٹھے
 سارے پجاريؤں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [353]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن

اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

[354]- والدہ مر حومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پردہ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسمان مجبور ہے نہش و قمر مجبور ہیں
اخجم سیما ب پار فتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نہ مو گلزار میں
نغمہ بلب ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
لغہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرجہ میرے باغ میں شہنم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نواب شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجیراں نہیں خنده نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ چیم کی ہے

آہ یہ تردید میری حکمتِ محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیادِ جاں پائیدہ ہے
درد کے عرفان سے عقلِ سنگدل شرمندہ ہے
مونج دود آہ سے آئینہ ہے روشنِ مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامنِ مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہدِ طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتوان
بات سے اچھی طرحِ حرم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شونخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہ بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکتِ جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں، ہم
صحبتِ مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں، ہم
بے تکلفِ خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میر انتظار
کون میر اخطانہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
ترتیبیت سے تیری میں انجنم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گرہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بی
وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرنا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرنا
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا صبح و مساروتا ہے وہ
تھم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بو گئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو پیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد ایں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائی ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرائلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے مونج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلو افسار ہے
قالے میں غیر فریاد درا کچھ بھی نہیں

اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پرداہ گردوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نا لہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
مجھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سبز کر دے گی انہیں باد بھار جاوہاں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزائ تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہیں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیال کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوابالائے آب
موح مضر لوث کر تعمیر کرتی ہے حباب
موح کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہوا

اس روشن کا کیا اثر ہے بینت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جتوڑ رہتی نہ ہو
آہ سیماں پر یشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگالیاں ممنون شب ہے جن کا سوز
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سر گزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثل شمع روشن محفل تدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعله یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
خیم گل کی آکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود نزاکی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفة کی شیر ازہ بند

ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمد
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
زخم فرقت وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوس سے تحمنا لہ ما تم نہیں
وقت زخم تنخ فرقت کا کوئی مر ہم نہیں
سرپہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیغم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں روایاں
ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکلیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشا نی سے ہے
سردیاں آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فعال غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلاسائی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح

لالہ افسر دہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زبان طاڑ کو سر مست نوا کرتی ہے یہ
سینہ بلبل کے زندگی سے سرو د آزاد ہے
سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
یہ اگر آئین ہستی ہے کہ ہوہر شام صح
مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو ان جام صح
دام سیمین تخلیل ہے مر آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاوں سے فضامعمور ہے
وہ فرانپ کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی بیں لاکھوں جہاں بے ثبات
مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جوالاں گاہ ہے
ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
ساز گار آب و ہوا ختم عمل کے واسطے
نور فطرت خلمت پیکر کا زندانی نہیں
تنگ ایسا حلقة افکار انسانی نہیں
زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صح کے تارے سے بھی تیر اسفر
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شمستان ہو ترا
آسمان تیری لحد پر شب نم افشا نی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

-مرزا غالب: علامہ اقبال [355]-

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغ تخيّل کی رسائی تا بجا
خاسراپارو ح تو بزم سخن پکر ترا
زیب محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوز زندگی ہرشے میں جو مستور ہے
محفل ہستی تری برباط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
تیرے فردوس تخيّل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
زندگی مضمر ہے تیری شوخی تحریر میں
تاب گویائی سے جنش ہے لب تصویر میں
نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محوجرت ہے ثریارفت پرواز پر
شابد مضموم تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
آہ تو اجری ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن دیبر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
اطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
ہو تخيّل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں

آہ اے نظارہ آموز نگاہ فکر میں
گیسوئے اردو بھی منت پزیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزائی پروانہ ہے
اے جہاں آباداے گھوارہ علم وہنر
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں مشش و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر
دفن تجھ میں کوئی فخر روز گارا ایسا بھی ہے
تجھ میں پناہ کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

[356]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[357]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوہ بے پرده کو پرده میں چھپا دیکھ!
ایام جدائی کے ستم دیکھ جفاد کیھ!
بیتاب نہ ہو معرکہ، یہم ورجاد کیھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں

یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
 یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوائیں
 تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
 آئئیں ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!
 سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
 دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
 ناپید ترے بحر تختیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیر خودی کراڑ آہ رساد دیکھ
 خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہاں ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش چیم کی جزا دیکھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازال سے
 تو جس محبت کا خریدار ازال سے
 تو پیر صنم خانہ اسرار ازال سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازال سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضا دیکھ!

-مارچ 1907: علامہ اقبال [358]-

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ راز ب آشکار ہو گا
 گزر گیا ب وہ دور ساتی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے

بنے گا سارا جہان مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیسیں گے
برہمنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارزار ہو گا
سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سن ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
کیا مر اتذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمان میں
تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منه بھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توں کا
ہزار موجودوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چن میں لا لہ د کھاتا پھرتا ہے داع اپنا گلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
جو ایک تھاۓ نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کے اعتبار ہو گا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پاہ گل ہیں
تو غنچ کہنے لگے ہمارے چن کا یہ رازدار ہو گا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارروائی کو
 شر رفشاں ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
 نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
 تو اک نفس میں جہاں سے ٹھانچھے مثال شرار ہو گا
 ن پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
 کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

-مسجد قرطبا: علامہ اقبال [359]-

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
 سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب تاریخ دور نگ
 جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
 سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
 جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
 تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب میرنی کائنات
 تو ہوا اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
 موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
 تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
 آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
 کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
 اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
 نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

ہے مگر اس نقش میں رنگ ثابت دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کار رسول عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطباً عشق سے تیر او جواد
عشق سرپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مججزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرور و سرود
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرش معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں

گرچہ کف خاک کی حد ہے پسہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھے مرادِ ذوق و شوق
دل میں صلوات و درود لب پہ صلوات و درود
شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے
تیر اجلال و جمال مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنایا سیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجومِ نخلیل
تیرے دروبام پر وادی ایمن کانور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبرئیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرکلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شعور
اس کے سمندر کی موج جلد و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل
ساتی اربابِ ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصل
مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبیوں کا گداز

اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کارکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی اداد فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دلیں میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ انجمن میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیر کا تافلہ سخت جاں
دیکھ چکا المني شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت رومنی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جوال
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب

رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندر لسیوں کی زمیں
ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندر لسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
کشتمی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب

آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
علم نہ ہے ابھی پرداہ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پرداہ اٹھادوں اگر چہرہ افکار سے
لانہ سکے گافر نگ میری نواؤں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح ا Mum کی حیات کشمکش انقلاب
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
لغہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-التجاء مسافر: علامہ اقبال [360]-

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسکن و خضر سے اوچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوی
بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار تو ام
و گر کشادہ جیں گل بہار تو ام

چن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نزدیک مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جانب سے ایسی ملے فغال مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خارو خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کارا زدیاں مجھ کو
وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعایہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق

ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
 جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو
 ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو
 ریاض دہر میں مانند گل رہے خداں
 کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
 شگفتہ ہو کے گلی دل کی پھول ہو جائے
 یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

-التجائے مسافر: علامہ اقبال [361]-

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جانب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسیح و خضر سے اوچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی
 بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
 اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار تو ام
 دگر کشادہ جیں گل بہار تو ام
 چین کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکھت گل
 ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
 چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
 شراب علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
 نظر ہے ابر کرم پر درخت صحر اہوں

کیا خدا نے نہ محتاج باغبان مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نر دبائی مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سچھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جانب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خارو خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کارا زد ایں مجھ کو
وہ شمع بارگہ بخاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی گلی
بنایا جس کی مردوت نے نکتہ داں مجھ کو
دعایہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق
ہوئی ہے جس کی انوت قرار جاں مجھ کو
جلائے جس کی محبت نے دفتر من و تو
ہوائے عیش میں پالا کیا جو ایں مجھ کو
ریاض دہر میں مانند گل رہے خندان
کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

-حضر راہ: علامہ اقبال [362]-

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا محو نظر
گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریا زم سیر
تھی نظر جی راں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
جیسے گوارے میں سوجاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطرب تھی کہیں گھر ایوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طاڑ آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضو گرفتار طسم باہتا ب
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیا خضر
جس کی بیرونی میں ہے مانند سحر رنگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
چشم دل واہو تو ہے تقدیر عالم بے حباب
دل میں یہ سن کر بپاہنگا مامہ محشر ہوا
میں شہید جتنجہ تھا یوں سخن گستر ہوا
اے تری چشم جہاں میں پروہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
کشیہ مسکین و جان پاک و دیوار یتیم
علم موئی بھی ہے ترے سامنے جیرت فروش
چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د

زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش
 زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
 اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب حضر

صحرا نوری

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوری پر تجھے
 یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل
 اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
 گو نجت ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحل
 ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کابے پروا خرام
 وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
 وہ نمود انترسیماب پاہنگام صح
 یانمایاں بام گردوں سے جبین جبریل
 وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
 جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
 اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں

اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زخیری کشت و نخل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
زندگی بر تراز سودوزیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندریشہ سودوزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانہ امر و زو فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تنشیہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنسیخ سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زناہار تو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار

اور خاکتر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
 زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار
 تایہ چنگاری فروغ جاؤ داں پیدا کرے
 خاک مشرق پر چمک جائے مثل آفتاپ
 تابد خشاں پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بیجے صفیر
 رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو مر آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاشیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طسم سامری
 سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاتراشی خواجہ از بر همن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیو استبداد جمہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
 مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
 گرمی گفتار اعضائے مجالس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلستان سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں نفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مزدور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے سیپیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیله گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
 ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
 اور تو اے بے خبر سمجھا اے شاخ بنا بت
 نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
 خواجی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مر انداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تو لٹو اگیا نقد حیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے

مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
 غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جمہور ہے سامان عیش
 قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن گلتی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑا لیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روئی چشم آدم کب تک
 با غبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بہار
 زخم گل کے واسطے تدیر مرہم کب تک
 کرمک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پنهان نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے متاثیث کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
 ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
 جو سر اپاناڑتھے ہیں آج مجبور نیاز
 لے رہا ہے مے فروشنان فرنگستان سے پارس
 وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
 حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
 ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز

ہو گیا مند آب ارزان مسلمان کا ہو
مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتا نے راز
گفت روئی ہر بنائے کہنہ کا باداں کند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کر دست غافل در گمر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بینا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شغیر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گھر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو ماند خاک رہ گزر
تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاسی خفی را ز جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج

مونج مضطرب کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
 عام حریت کا جو دیکھا تھا خوابِ اسلام نے
 اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سماں وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیغیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈلی سی اک تصویر دیکھ
 آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زمان پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

-[363]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس
 یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیاۓ دون
 سا کنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوب
 اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسون
 میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزال کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہوا ابلیس کا سوز دروں

جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر نگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدار میں بجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتی ہے خام
یہ ہماری سمعی پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملائکت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قولی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جلت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرा مشیر

خیر ہے سلطانی جمہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملائکت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

کاروبار شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پر ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر چل گیز سے تاریک تر

تیرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تحلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دل تاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

پوچھا مشیر

توڑ اس کارومنہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر ابلیس کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار

تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
 آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز
 الہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
 تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محرم نہیں
 سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا فقط لقدیس و تستحق و طواف
 تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
 گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قبائونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزانج روز گار
 چھاگئی آشفۃ ہو کرو سمعت افلک پر
 جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فردا کی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مر غزار و جو نیبار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزبر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

[364]- لینن: علامہ اقبال

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائیدہ تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے

ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
بینائے کو اکب ہو کہ دانائے بنا تات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا ملیسا کے خرافات
ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالق اعصار و نگار ندہ آنات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنے سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیا خیمہ افلاک کے نیچے
کائنات کی طرح دل میں ہٹکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متنالاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشندہ فلرات
یورپ میں بہت روشنی علم و هنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ جیواں ہے یہ ظلمات
رعانی تعمیر میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے پیں بنکوں کی مبارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا ایک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلas
 کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
 وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
 حداس کے کمالات کی ہے بر ق و بخارات
 ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
 احساس مردود کو کچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
 مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں چیر ان خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یا غازہ ہے یا ساغرو مینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مكافات

-[365]- نانک: علامہ اقبال

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
 قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جو زندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا

شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
 بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
 آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
 درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
 برہمن سرشار ہے اب تک مٹے پندار میں
 شمع گوم جل رہی ہے محفل اغیار میں
 بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
 نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
 پھر اٹھی آخر صد التوحید کی پنجاب سے
 ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

[366]- تصویر درد: علامہ اقبال

نہیں منت کش تاب شنیدن داستان میری
 خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری
 یہ دستور زبان بندی ہے کیسا تیری محفل میں
 یہاں توبات کرنے کو ترسی ہے زبان میری
 اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گلنے
 چین میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری
 اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
 چجن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فخار میری
 ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
 سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستان میری
 الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
 حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری

مرا ونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستان کا
وہ گل ہوں میں خداں ہر گل کی ہے گویا خداں میری
دریں حسرت سر اعمريست افسون جرس دارم
رفیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم
ریاض دھر میں نا آشناۓ بزم عشرت ہوں
خوشی روتو ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں
مری گبڑی ہوئی تقدیر کو روتو ہے گویا
میں حرف زیر لب شر مندہ گوش سماعت ہوں
پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدو رت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سر اپانور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں
خرزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرانے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں
نظر میری نہیں ممنون سیر عرصہ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیانہ
میں اس مے خانہ ہستی میں ہرشے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ سماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے تراظر اے ہندوستان مجھ کو

کہ عبرت خیز ہے تیر افسانہ سب فسانوں میں
دیارونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا لکھ ازل نے مجھ کو تیرے نوح خوانوں میں
نشان بر گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلپیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں با غبانوں میں
چھپا کر آستین میں بھلیاں رکھی ہیں گروں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صد امیری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بستانوں میں
وطن کی فکر کرنا داں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذراد کیھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی دستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہوا اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری دستان تک بھی نہ ہو گی دستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گام زن محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پہاں کر کے چھوڑوں گا
ہورورو کے محفل کو گلستان کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشان کر کے چھوڑوں گا

پر دن ایک ہی تسلیم میں ان بھرے دنوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آسمان کر کے چھوڑوں گا
مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا
جو ہے پر دوں میں پہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفتہ کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی ادائیں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادائیونے
تعصباً چھوڑنا داں دھر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برائونے
سر اپنانہ بیدار سوز زندگی ہو جا
سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدائوں نے
صفائے دل کو کیا آرا لش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے اونا داں حناتو نے
ز میں کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضباً ہے سطر قرآن کو چلیا کر دیا تو نے
زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندرار کو اپنا خدا تو نے
کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا

ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی
دکھاواہ حسن عالم سوزا پنی چشم پر نم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبنم کو
ذرانظرارہی اے بوالہوس مقصد نہیں اس کا
بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو
اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جنم کو
شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثراں کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلا تا ہے آدم کو
نا اٹھا جذبہ خور شید سے اک برگ گل تک بھی
یہ رفت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو
پھر اکرتے نہیں مجروح الافت فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے نج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
دواہر دکھ کی ہے مجروح تھی آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسان رفور رہنا
شراب بے خودی سے تافلک پرواز ہے میری
قیاست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بورہنا
تجھے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضور رہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرور رہنا

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
یہ استغنا ہے پانی میں گلوں رکھتا ہے ساگر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجور رہنا
نہ رہاپنوں سے بے پرواہی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں اوپیگانہ خور رہنا
شراب روح پرور ہے محبت نوع انسان کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبور رہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفایبار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خختہ کوبیدار قوموں نے
بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
یہ دیرانہ نفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحراء بھی
جرس بھی کارروال بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے
جلانا دل کا ہے گویا سر اپانور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع الحجن بھی ہے
وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستون بھی کوہ کن بھی ہے
اجڑا ہے تمیز ملت و آئینے نے قوموں کو
مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے
سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
زمیں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے
نمیگر دید کوتہ رشته معنی رہا کردم

حکایت بود بے پیاس بخاموشی ادا کردم

- طالب علم: علامہ اقبال [367]-

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کر تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

- ذوق و شوق: علامہ اقبال [368]-

قلب و نظر کی زندگی دشمن میں صبح کا سماں
چشمہ آفتاب سے نور کی ندیاں روائیں!
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پر دہ وجود
دل کے لیے ہزار سو دا یک نگاہ کا زیاریا!
سرخ و کبود بد لیاں چھوڑ گیا حباب شب!
کوہ اضم کو دے گیارنگ برنگ طیساں!
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخلیں دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پر نیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارروائیں
آئی صدائے جبریل تیر ا مقام ہے مہی
اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنے ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!

کیا نہیں اور غزنوی کارگ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!
ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدہ تصورات!
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!
معمر کہ وجود میں بدر و حین بھی ہے عشق!
آیہ کائنات کا معنی دیریا ب تو!
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!
جلوتیان مدرسہ کورنگاہ و مردہ ذوق
جلوتیان میکیدہ کم طلب و تہی کدو!
میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
بادصباکی موج سے نشوونماۓ خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشوونماۓ آرزو!
خون دل و جگر سے ہے میری نواکی پرورش
ہے رگ ساز میں روای صاحب ساز کا ہو!
فرصت کنکش میں ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیر اوجوں الکتاب!
گندب آگبینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!
 شوکت سخنرو سلیم تیرے جلال کی نمود!
 فقر جنید و بایزید تیر اجمال بے نقاب!
 شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجاب! میرا سبود بھی حجاب!
 تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
 عقل، غیاب و جتو! عشق، حضور و اضطراب!
 تیرہ و تارہ ہے جہاں گردش آفتاب سے!
 طبع زمانہ تازہ کر جلوہ بے حجاب سے!
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخیل بے رطب!
 تازہ مرے ضمیر میں معركہ کہن ہوا!
 عشق تمام مصطفی! عقل تمام بولہب!
 گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزوری کشہر
 عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب!
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگ آرزو! بحر میں لذت طلب!
 عین وصال میں مجھے حوصلہ نظر نہ تھا
 گرچہ بہانہ جور ہی میری نگاہ بے ادب!
 گرمی آرزو فراق! شورش ہائے وہ فراق!
 موج کی جتو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

-رام:علامہ اقبال [369]-

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند

سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
 یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر
 رفت میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند
 اس دلیں میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سر شست
 مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند
 ہے رام کے وجود پہنودستان کونا ز
 اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
 اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی
 روشن تراز سحر ہے زمانہ میں شام ہند
 تلوار کا وضنی تھا شجاعت میں فرد تھا
 پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

-نیاشوالہ: علامہ اقبال [370]-

سچ کہہ دول اے بر ہمن گر تو بر انہ مانے
 تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
 اپنوں سے بیر کھنا تو نے بتوں سے سیکھا
 جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آغیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
 پچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹا دیں

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
 آک نیا شوالہ اس دل میں میں بنادیں
 دنیا کے تیر تھوں سے اوچا ہوا پنا تیر تھ
 دامان آسمان سے اس کا کلس ملا دیں
 ہر صح اٹھ کے گائیں منترو وہ میٹھے میٹھے
 سارے پچاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
 شکنی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
 دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

-عورت: علامہ اقبال [371]-

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
 اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
 کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درکنوں

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
 اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

[372]- والدہ مرحومہ کی یاد میں: علامہ اقبال

ذرہ ذرہ دھر کا زندانی تقدیر ہے
 پردہ مجرمی و بے چارگی تدبیر ہے
 آسمان مجرم ہے نہش و قمر مجرم ہیں

انجم سیما ب پار فتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نمو گلزار میں
نغمہ ببل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیال
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روائ
قلب انسانی میں رقص عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہن سامان اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبتم کی شادابی نہیں
آنکھ میری ما یہ دار اشک عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کاراز
ہے نوائے شکوه سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصہ نیرنگی دوراں نہیں
دل مراجیروں نہیں خندہ نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے
گریہ سرشار سے بنیاد جاں پاینده ہے
درد کے عرفان سے عقل سگدل شر مندہ ہے
موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا
جیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواہ کا

رفتہ و حاضر کو گویا پاہ پا اس نے کیا
عہد طفیل سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتواں
بات سے اچھی طرح محروم نہ تھی جس کی زبان
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہاموتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اون گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خنده زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میر انتظار
کون میر اخطلنہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعاۓ نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجمن کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سر اپادین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جو اس قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا

وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مر
تجھ کو مثل طفک بے دست و پاروتا ہے وہ
صبر سے نآشنا صبح و مساروتا ہے وہ
تختم جس کا تو ہماری کشت جاں میں ہو گئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
آہ یہ دنیا یہ ماتم خانہ برناو چیر
آدمی ہے کس طسم دوش و فرد ایں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آسائی ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نیم ارزال ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں
کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلوافشار ہے
قاٹے میں غیر فریاد درا کچھ بھی نہیں
اک متاع دیدہ تر کے سوا کچھ بھی نہیں
ختم ہو جائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پر دھگر دوں ابھی دور اور بھی
سینہ چاک اس گلتستان میں لا لہ و گل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا
جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزان
سوز کر دے گی انہیں باد بھار جاؤ داں

خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انعام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مت سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کونہ کر دیتا نظام کائنات
ہے اگر ارزال تو یہ سمجھوا جل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
جنۃ نظارہ ہے نقش ہوابالائے آب
موج مضطرب توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بے دردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھرنا کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہ ہوا
اس روشن کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
یہ توجہت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
آہ سیما ب پریشاں انجمن گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سور
عقل جس سے سربہ زانو ہے وہ مدت ان کی ہے

سرگزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
پھر یہ انساں آس سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثل شعر و شن محفل قدرت میں ہے
آسمان اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لیے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لیے مضراب ہے
شعلہ یہ کم تر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
ختم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی خود فزاںی کے لیے مجبور ہے
سردی مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا تباۓ زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جوابی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پر دے میں بیداری کا اک پیغام ہے
خو گر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درداجل ہے لا دوا
زخم فرقہ وقت کے مر ہم سے پاتا ہے شفا

دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقة زنجیر صح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتا نالہ ما تم نہیں
وقت زخم تغ فرقہ کا کوئی مرہم نہیں
سرپہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیہم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں رووال
ربط ہو جاتا ہے دل کونالہ و فریاد سے
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سر شک آباد سے
آدمی تاب شکیباں سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشاںی سے ہے
سردیہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ یہ ضبط فقاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلساںی فراموشی نہیں
پرداہ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صح
 DAG شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صح
 لالہ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
 بے زبان طاڑ کو سرمست نواکرتی ہے یہ
 سینہ بلبل کے زندان سے سرو د آزاد ہے
 سیکڑوں نغموں سے باد صح دم آباد ہے
 خفتہ گان لالہ زار و کوہ سار و رو دبار
 ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
 یہ اگر آئیں ہستی ہے کہ ہوہر شام صح

مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صح
 دام سیمین تخيیل ہے مرا آفاق گیر
 کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
 یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
 جیسے کبھی میں دعاوں سے فضامعمور ہے
 وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
 جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہان بے ثبات
 مختلف ہر منزل ہستی کو رسم و راہ ہے
 آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
 ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کے واسطے
 ساز گار آب و ہوا تخم عمل کے واسطے
 نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
 تنگ ایسا حلقة انکار انسانی نہیں
 زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صحیح کے تارے سے بھی تیر اسفر
 مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہوتا
 نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہوتا
 آسمان تیری لحد پر شبتم افشا نی کرے
 سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

[373]- مرزا غالب: علامہ اقبال

فکر انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
 ہے پر مرغ تخيیل کی رسائی تاکجا
 تھا سر اپارو ح تو بزم سخن پیکر ترا

زیبِ محفل بھی رہا محفل سے پہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستور ہے
محفل ہستی تری بر باط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کو ہسار
تیرے فردوسِ تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ دار
زندگی مضر ہے تیری شوخی تحریر میں
تاب گویائی سے جنبش ہے لب تصویر میں
نطق کو سوناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محوجیرت ہے ثیرارفت پرواز پر
شہادِ مضمون تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچہ دلی گل شیر از پر
آہ تو اجزی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویمر میں تیرا ہم نواخوابیدہ ہے
لطف گویائی میں تیری ہم سری ممکن نہیں
ہو تخیل کانہ جب تک فکر کامل ہم نشیں
ہائے اب کیا ہو گئی ہندوستان کی سرز میں
آہ اے نظارہ آموز نگاہ نکتہ ہیں
گیسوئے اردو ابھی منت پزیر شانہ ہے
شعیہ سودائی دل سوزی پروانہ ہے
اے جہان آباد اے گھوارہ علم و ہنر
ہیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام در
ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں سمش و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر

دفن تجھ میں کوئی خر روز گارا یا بھی ہے
تجھ میں پہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

[374]- نماز: علامہ اقبال

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم جوال ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

[375]- روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے: علامہ اقبال

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضاد کیکھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دکھ!
اس جلوہ بے پرداہ کو پرداہ میں چھپا دکھ!
ایام جدائی کے ستم دیکھ بغاہ دکھ!
بیتاب نہ ہو معرکہ نہیں ورجاد کیکھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گند افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرایہ سمندر یہ ہوا نیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئیں ایام میں آج لپنی اداد کیکھ!
سمجھے گازمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپید ترے بحر تخلیل کے کنارے

پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
 تعمیر خودی کرازہ آہ رساد کیجھ
 خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شر میں
 آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشنے ہوئے فردوس نظر میں
 جنت تری پہنچا ہے ترے خون جگر میں
 اے پیکر گل کوشش پیغم کی جزاد کیجھ!
 نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
 تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
 تو پیر صنم خانہ اسرار ازل سے
 محنت کش و خوں ریزو کم آزار ازل سے
 ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضاد کیجھ!

-مارچ 1907ء: علامہ اقبال [376]-

زمانہ آیا ہے بے جباری کا عام دیدار یار ہو گا
 سکوت تھا پر دہ دار جس کا وہ رازاب آشکار ہو گا
 گزر گیا ب وہ دور ساتی کہ چھپ کے پیٹے تھے پینے والے
 بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
 کبھی جو آوارہ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبیسیں گے
 برہنہ پائی وہی رہے گی گرنیا خارز ار ہو گا
 سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
 جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہو گا
 نکل کے صحراء سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
 سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

کیا مر اتنے کرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمان میں
تو پیرے مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عبار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خیبر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مورنا توواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
چین میں لا لہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہو گا
جو ایک تھاںے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کے اعتبار ہو گا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پابہ گل ہیں
تو غنچے کہنے لگے ہمارے چین کا یہ رازدار ہو گا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہو گا
میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شر رفتا ہو گی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہو گا
نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
تو اک نفس میں جہاں سے ٹھانجھے مثال شرار ہو گا
نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا بھی وہی کیفیت ہے اس کی
کہیں سر را گزار بیٹھا ستم کش انتظار ہو گا

[377]- مسجد قرطبة: علامہ اقبال

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات
سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلہ روز و شب تاریخ ریورنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلہ روز و شب ساز ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پر کھتا ہے یہ مجھ کو پر کھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب صرفی کائنات
تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات
آنی و فانی تمام مجرہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات
اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام
مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروع
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا

اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشقِ دم جبریل عشقِ دل مصطفیٰ
عشقِ خدا کار رسول عشقِ خدا کا کلام
عشق کی مسی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس اکرام
عشق فقیہہ حرام عشق امیر جنود
عشق ہے این السبیل اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مضراب سے نغمہ تاریخیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات
اے حرم قرطباً عشق سے تیراً وجود
عشق سر اپا دام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
مججزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود
قطرہ خون جگر سل کو بناتا ہے دل
خون جگر سے صد اسوز و سرو و سرو و
تیری فضادل فروز میری نواسینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود
عرشِ معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
گرچہ کف خاک کی حد ہے بسہر کبود
پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گداز بجود
کافر ہندی ہوں میں دیکھ مر اذوق و شوق
دل میں صلاوة و درود لب پہ صلاوة و درود
شوقي لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمہ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے

تیر اجلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جیل تو بھی جلیل و جیل
تیری بن پانیدار تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرائیں ہو جیسے ہجوم نخیل
تیرے دروبام پر وادی ایکن کا نور
تیر امنار بلند جلوہ گہ جبریل
مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حد و داس کا افق بے شغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساتھ ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادھے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصل
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کاراز
اس کے دنوں کی تپش اس کی شبیوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کار آفریں کا رکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل

اس کی ادول فریب اس کی نگہ دل نواز
آج بھی اس دل میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواں میں ہے
دیدہ اخْمَم میں ہے تیری زمیں آسمان
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضابے اذال
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا لمنی شورش اصلاح دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتنی نازک رواں
چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت روی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جو اں
روح مسلمان میں ہے آج وہی اضطراب
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان
زرم دم گفتگو گرم دم جتو جتو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا لقین
اور یہ عالم تمام و ہم و طلسماں و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقة آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

کعبہ ارباب فن سطوت دین میں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تاگر دوں اگر حسن میں تیری نظر
قلب مسلمان میں ہے اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حال خلق عظیم صاحب صدق و یقین
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
وادی کہسار میں غرق شفقت ہے سحاب
لعل بد خشائ کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاں
سادہ و پرسوز ہے دختر دھقاں کا گیت
کشتنی دل کے لیے سیل ہے عہد شباب
آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
علم نو ہے ابھی پر دہ قدری میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے جاب
پرداہ اٹھا دوں اگر چیرہ افکار سے
لانہ سکے گافرنگ میری نواوں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی

روح ام کی حیات کئیکش انقلاب
 صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

-التجاء مسافر: علامہ اقبال [378]-

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
 بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
 ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
 نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
 تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
 مسح و خضر سے او نچا مقام ہے تیرا
 نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوی
 بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا
 اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
 دگر کشادہ جہیں مگل بہار توام
 چین کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
 ہوا ہے صبر کا منظور امتحان مجھ کو
 چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
 شراب علم کی لذت کشان کشان مجھ کو
 نظر ہے ابر کرم پر درخت صحراء ہوں
 کیا خدا نے نہ محتاج باغبان مجھ کو
 فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں

تری دعا سے عطا ہو وہ نر دبائی مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہواں قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسمان مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جانب سے ایسی ملے فغال مجھ کو
بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے
چن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو
پھر آر کھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں
کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو
وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعایہ کر کہ خداوند آسمان وزمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو
وہ میر ایوسف ثانی وہ شمع محفلِ عشق
ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
جلائے جس کی محبت نے دفتر من و تو
ہوائے عیش میں پالا کیا جو اں مجھ کو
ریاضِ دہر میں مانند گل رہے خندان
کہ ہے عزیز تراز جاں وہ جان جاں مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ الجاجے مسافر قبول ہو جائے

شاعر

ساحل دریاپہ میں اک رات تھا مجنون نظر
 گوشہ دل میں چھپائے اک جہان اضطراب
 شب سکوت افزایہوا آسودہ دریازم سیر
 تھی نظر جیسا کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب
 جیسے گھوارے میں سوجاتا ہے طفل شیر خوار
 موج مضطرب تھی کہیں گہرا یوں میں مست خواب
 رات کے افسوں سے طار آشیانوں میں اسیر
 انجم کم ضو گرفتار طسم مہتاب
 دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بیک جہاں پیغام خضر
 جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
 کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویاۓ اسرار ازال
 چشم دل واہو تو ہے تقدیر عام بے جاب
 دل میں یہ سن کر بپاہنگامہ محشر ہوا
 میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا
 اے تری چشم جہاں میں پروہ طوفاں آشکار
 جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش
 کشیہ مسلکین و جان پاک و دیواریتیم
 علم موسیٰ بھی ہے ترے سامنے جیرت فروش
 چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحر انور د
 زندگی تیری ہے بے روز و شب و فرد اودوش
 زندگی کاراز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے

اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
 ہو رہا ہے ایشیا کا خرقہ دیرینہ چاک
 نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرا یہ پوش
 گرچہ اسکندر رہا محروم آب زندگی
 فطرت اسکندری اب تک ہے گرم ناؤنوش
 بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ
 خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش
 آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
 کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

جواب حضر

صحرا نوری

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوری پر تجھے
 یہ تنگاپوئے دادم زندگی کی ہے دلیل
 اے رہیں خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
 گو نجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رہیں
 ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
 وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
 وہ نمود اختر سیما ب پہنگا م صبح
 یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبر نیل
 وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
 جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل
 اور وہ پانی کے چشے پر مقام کارواں
 اہل ایمان جس طرح جنت میں گرد سلسیل
 تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش

اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخل
پختہ تر ہے گردش پیغم سے جام زندگی
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
زندگی بر تراز سودا وزیاں ہے زندگی
زندگی بر تراز اندر یتھے سودا وزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیکانہ امر و زو فردا سے نہ ناپ
جاو داں پیغم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تنجیر سے
گرچاک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوت پہاں کو کر دے آشکار

تایہ چنگاری فروع جاوداں پیدا کرے
 خاکِ مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
 تابد خشائ پھروہی لعل گراں پیدا کرے
 سوئے گردوں نالہ شبگیر کا بھیجے صافر
 رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے
 یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
 پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سلطنت

آبتاوں تجھ کو مر آیہ ان الملوك
 سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادو گری
 خواب سے بے دار ہوتا ہے ذرا حکوم اگر
 پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری
 جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
 دیکھتی ہے حلقة گردن میں ساز دل بری
 خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
 تو ڈیتا ہے کوئی موئی طلس سامری
 سروری زیا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری
 از غلامی فطرت آزاد رار سوا مکن
 تاتر اشی خواجه آزبر ہمن کافر تری
 ہے وہی ساز کہن مغرب کا جہوری نظام
 جس کے پر دوں میں نہیں غیر ازنواب قیصری
 دیو استبداد جہوری قبائل پائے کوب
 تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
 طب مغرب میں مزے میٹھے اثرخواب آوری
 گرمی گفتار اعضا نے مجلس الامان
 یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
 اس سراب رنگ و بو کو گلتاں سمجھا ہے تو
 آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
 سرمایہ و محنت

بندہ مز دور کو جا کر مر اپیغام دے
 خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
 اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیدہ گر
 شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
 دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
 اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
 ساحر الموطنے تجھ کو دیا برگ حشیش
 اور تو اے بے خبر سمجھا سے شاخ نبات
 نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
 خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
 کٹ مر انداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
 سکر کی لذت میں تو لٹو اگیا نقد حیات
 مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
 انتہائے سادگی سے کھا گیا مز دورہ مات
 اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
 مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
 ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول

غنچہ ساں غالترے دامن میں شبنم کب تک
 نغمہ بیداری جہور ہے سامان عیش
 قصہ خواب آور اسکندر و جم کب تک
 آفتاب تازہ پیدا بطن لگتی سے ہوا
 آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تک
 توڑا میں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
 دوری جنت سے روتی چشم آدم کب تک
 باغبان چارہ فرماسے یہ کہتی ہے بھار
 رخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تک
 کرک ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
 اپنی فطرت کے تخلی زار میں آباد ہو
 دنیاۓ اسلام

کیا سنا تاہے مجھے ترک و عرب کی داستان
 مجھ سے کچھ پنهان نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
 لے گئے تثییث کے فرزند میراث خلیل
 خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
 ہو گئی رسواز مانے میں کلاہ لالہ رنگ
 جو سر اپانا تھے ہیں آج مجبور نیاز
 لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
 وہ مے سر کش حرارت جس کی ہے مینا گداز
 حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
 کلکٹرے کلکٹرے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز
 ہو گیا مانند آب ارزان مسلمان کا ہبو
 مضطرب ہے تو کہ تیر ادل نہیں داتائے راز

گفت روی ہر بنائے کہنہ کا بادال کند
می ندانی اول آں بنیاد راویراں کند
ملک ہاتھوں سے گیامت کی آنکھیں کھل گئیں
حق تراچشمے عطا کردست غافل در گر
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
موربے پر حاجت پیش سیمانے مبر
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
الیشاواں ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک شمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابناک کا شفر
جو کرے گا اتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیاد نیا سے تو مانند خاک رہ گزر
تا خلافت کی بناد نیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
اے کہ نشاشی نخفی راز جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ
تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
مون مضر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جود دیکھا تھا خواب اسلام نے

اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
 اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامان وجود
 مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہان پیر دیکھ
 کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
 آنے والے دور کی دھنڈی سی اک تصویر دیکھ
 آڑ مودہ فتنہ ہے اک اور بھی گروں کے پاس
 سامنے تقدیر کے رسولی تدبیر دیکھ
 مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
 ہر زماں پیش نظر لا یخالف المیعاد دار

[380]- ابلیس کی مجلس شوریٰ: علامہ اقبال

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھلیل یہ دنیاۓ دوں
 ساکنان عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خون
 اس کی بربادی پر آج آمادہ ہے وہ کار ساز
 جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں
 میں نے دھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
 میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوس
 میں نے ناداروں کو سکھلا یا سبق تقدیر کا
 میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
 کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزان کو سرد
 جس کے ہنگاموں میں ہوا ابلیس کا سوز دروں
 جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
 کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سر گنوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تراس سے ہوئے خونے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدار میں سجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یار ہتھی ہے خام
یہ ہماری سمیٰ پیغم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملاموکیت کے بندے ہیں تمام
طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قولی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تبغ بے نیام
کس کی نومیدی پہ جبت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلمان پر حرام

دوسرा مشیر

خیر ہے سلطانی جہور کا غوغاء کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بنی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پر دہ ہو کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کار و بار شہر یاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر

مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطان غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تونے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندر ہو چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے جعلی وہ مسح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار دکتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پر دہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاوں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومتہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا، ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجودوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بنی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب
پانچواں مشیر امیں کو مخاطب کر کے
اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار
تونے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز

ابلہ جنت تری تعلیم سے داناے کار
 تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ حرم نہیں
 سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
 کام تھا جن کا فقط لقدیں و تسبیح و طواف
 تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار
 گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
 اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
 وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
 ہر قباہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
 زاغ دشی ہورہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
 کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزان روز گار
 چھائی آشفۃ ہو کرو سعیت افلک پر
 جس کونا دانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار
 فتنہ فرد اکی بیبیت کا یہ عالم ہے کہ آج
 کانپتے ہیں کوہ سار و مرغزار و جوں بار
 میرے آقا وہ جہاں زیر وزیر ہونے کو ہے
 جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

-[381]-

لینن: علامہ اقبال

اے نفس و آفاق میں پیدا تری آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پاینده تری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات

محرم نہیں فطرت کے سرو دا زلی سے
بینائے کو اکب ہو کہ دانائے نباتات
آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا ملیسا کے خرافات
ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو غالباً اعصار و نگار ندہ آنات
اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کرنہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات
جب تک میں جیاخیمہ افلاک کے نیچے
کائنات کی طرح دل میں ہٹکتی رہی یہ بات
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات
وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبد
وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات
مشرق کے خداوند سفید ان فرنگی
مغرب کے خداوند رخشدہ فلرات
یورپ میں بہت روشنی علم و هنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعایتی تغیریں میں رونق میں صفائیں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے بیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جواہے
سودا یک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت
پیتے بیس لہو دیتے بیس تعلیم مساوات
بے کاری و عربی و مے خواری و افلas

کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی نتوحات
 وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
 حداس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
 ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
 احساس مردود کو کچل دیتے ہیں آلات
 آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیامات
 مے خانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیر ان خرابات
 چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
 یاغا زہ ہے یا ساغر و بینا کی کرامات
 تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گاسرمایہ پرستی کا سفینہ
 دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

-ناں: علامہ اقبال [382]-

قوم نے پیغام گو تم کی ذرا پروانہ کی
 قدر پچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
 آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
 غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
 آشکاراں نے کیا جوز ندگی کا راز تھا
 ہند کو لیکن نیالی فلسفہ پر ناز تھا
 شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی

بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں
شع گوتم جل رہی ہے محفل اغیار میں
بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صد اتوحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے چکایا خواب سے